ماہنامہ

پیام عرفات

رائے بریلی

محمد (ﷺ) — ایک لازوال اسوہ

”رسول (ﷺ) آج چشم ظاہر سے مستور ہیں لیکن ”اسوۂ رسول (ﷺ)“ مستور نہیں، وہ قدم جن پر پیشانیوں کا رگڑنا ہمارے لیے اوج سعادت تھا آج ہماری نظروں سے اوجھل ہیں لیکن ”نقش قدم“ موجود ہیں، صاحب خلق عظیم آج ”رفیق اعلیٰ“ کی رفاقت میں ہے لیکن ”خلق عظیم“ کی امانت انسانوں کے سینوں اور کتب خانوں کے سفینوں میں آج بھی محفوظ ہے، پیام بر کا پیام زندہ ہے، کام زندہ ہے، نام زندہ ہے، اور آج خاک کا ہر پتلا اپنے ظرف اور بساط کے مطابق اُس گنج نور سے کسب فیض کر سکتا ہے۔“

مولانا عبدالماجد دریابادیؒ
(ذکر رسول ﷺ)

FEB 12

مرکز الإمام أبي الحسن الندوي

دار عرفات، تکیہ کلاں، رائے بریلی

₹ 10/-

فخر انسانیت (صلی اللہ علیہ وسلم)

”دنیا کے ہر انسان کو فخر کرنا چاہیے کہ ہماری نوعِ انساں میں ایک ایسا انسان پیدا ہوا جس سے انسانیت کا سر اونچا اور نام روشن ہوا، اگر آپ (ﷺ) نہ آتے تو دنیا کا نقشہ کیا ہوتا، اور ہم انسانیت کی شرافت وعظمت کے لیے کس کو پیش کرتے؟ محمد رسول اللہ (ﷺ) ہر انسان کے ہیں، محمد رسول اللہ (ﷺ) سے اس دنیا کی رونق اور نوعِ انسانی کی عظمت ہے، وہ کسی قوم کی ملک نہیں، ان پر کسی ملک کا اجارہ نہیں؛ وہ پوری انسانیت کا سرمایۂ فخر ہیں، کیوں آج کسی ملک کا انسان فخر ومسرت کے ساتھ یہ نہیں کہتا کہ میرا اس نوع سے تعلق ہے جس میں محمد رسول اللہ (ﷺ) جیسا انسانِ کامل پیدا ہوا۔

آج انسانوں کا کون سا طبقہ ہے جس پر آپ کا براہ راست یا بالواسطہ احسان نہیں؟ کیا مردوں پر آپ (ﷺ) کا احسان نہیں کہ آپ نے ان کو مردانگی اور آدمیت کی تعلیم دی؟ کیا عورتوں پر آپ (ﷺ) کا احسان نہیں کہ آپ نے ان کے حقوق بتلائے، ان کے لیے ہدایتیں اور وصیتیں فرمائیں؟ کیا کمزوروں پر آپ (ﷺ) کا احسان نہیں کہ آپ نے ان کی حمایت کی اور فرمایا کہ مظلوم کی بد دعا سے ڈرو کہ اس کے اور خدا کے درمیان کوئی پردہ نہیں؟ کیا طاقتوروں اور حکمرانوں پر آپ (ﷺ) کا احسان نہیں کہ آپ نے ان کو ان کے حقوق وفرائض بتلائے اور انصاف کرنے والوں اور خدا سے ڈرنے والوں کو بشارت سنائی؟ کیا تاجروں پر آپ (ﷺ) کا احسان نہیں کہ آپ نے تجارت کرکے اس گروہ کی عزت بڑھائی؟ کیا آپ (ﷺ) کا مزدوروں پر احسان نہیں کہ آپ نے تاکید فرمائی کہ مزدور کی مزدوری پسینہ خشک ہونے سے پہلے دے دو؟ کیا جانوروں تک پر آپ (ﷺ) کا احسان نہیں کہ آپ نے فرمایا ہر وہ مخلوق جس میں احساس وزندگی ہے اس کو آرام پہنچانا اور کھلانا پلانا بھی صدقہ ہے؟ کیا ساری انسانی برادری پر آپ کا احسان نہیں کہ راتوں کو اٹھ اٹھ کر آپ شہادت دیتے تھے کہ خدایا تیرے سب بندے بھائی بھائی ہیں؟ کیا ساری دنیا پر آپ (ﷺ) کا احسان نہیں کہ سب سے پہلے دنیا نے آپ ہی کی زبانی سنا کہ خدا کسی ملک، قوم، نسل وبرادری کا نہیں سارے جہانوں اور سب انسانوں کا ہے؟

ہماری آپ کی دنیا میں حکماء وفلاسفہ بھی آئے، ادباء وشعراء بھی، فاتح وکشور کشا بھی، سیاسی قائد اور قومی رہنما بھی، موجدین ومکتشفین (سائنٹسٹ) بھی، مگر کس کے آنے سے دنیا میں وہ بہار آئی جو پیغمبروں کے آنے سے، پھر سب سے آخر سب سے بڑے پیغمبر محمد رسول اللہ (ﷺ) کے آنے سے آئی؟! کون اپنے ساتھ وہ شادابی، وہ برکتیں، وہ رحمتیں نوعِ انسانی کے لیے وہ دولتیں، اور انسانیت کے لیے وہ نعمتیں لے کر آیا جو محمد رسول اللہ (ﷺ) لے کر آئے، تیرہ سو برس کی انسانی تاریخ پورے وثوق کے ساتھ آپ (ﷺ) کو خطاب کرکے کہتی ہے:

سر سبز سبزہ ہو جو ترا پائمال ہو
ٹھیرے تو جس شجر کے تلے نہال ہو“

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ

(کاروانِ مدینہ/ ۶۷-۷۷)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

ماہنامہ

پیام عرفات

رائے بریلی

اردو اور ہندی میں ایک ساتھ شائع ہونے والا

جلد نمبر ۴ | فروری ۲۰۱۲ء - ربیع الاول ۱۴۳۳ھ | شمارہ نمبر ۲

فہرست مضامین

ہوش کے ناخن لینے کی ضرورت ۲
بلال عبدالحی حسنی ندوی ....

صفات نبوی ﷺ ہر مسلمان کے لیے قابل اتباع نمونہ ۳
مولانا محمد رابع حسنی ندوی مدظلہٗ ....

گفتگو کے آداب ۵
مولانا محمد ثانی حسنیؒ ....

دنیا کی محبت ہر برائی کی جڑ ۶
مولانا عبداللہ حسنی ندوی ....

سیرت نبوی کے آئینہ میں ہماری تصویر ۷
مولانا جعفر مسعود حسنی ندوی ....

قصہ ایک کسان اور اس کے بیٹوں کا ۱۰
بلال عبدالحی حسنی ندوی ....

الیکشن میں شرکت - شرعی نقطۂ نظر سے ۱۱
مفتی راشد حسین ندوی ....

رسول اللہ ﷺ - کتاب اللہ کے آئینہ میں ۱۳
عبدالسبحان ناخدا ندوی ....

آپ کے دینی سوالات اور ان کے جوابات ۱۷

مسلمانان ہند کے سیاسی مسائل اور ان کا حل ۱۸
محمد نفیس خاں ندوی ....

مرکز الإمام أبي الحسن الندوي

سرپرست

حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ
(صدر، دارِ عرفات)

نگراں

مولانا محمد واضح رشید حسنی ندوی مدظلہ
(جنرل سکریٹری، دارِ عرفات)

مجلس ادارت

بلال عبدالحی حسنی ندوی
مفتی راشد حسین ندوی
عبدالسبحان ناخدا ندوی
محمود حسن حسنی ندوی
محمد حسن ندوی

معاون ادارت

محمد نفیس خاں ندوی

فی شمارہ: ۱۰ روپے   سالانہ: ۱۰۰ روپے

www.abulhasanalinadwi.org
Fax: 0535-2211368
Mail: markazulimam@gmail.com

مرکز الامام أبي الحسن الندوي دار عرفات، تکیہ کلاں رائے بریلی (یوپی) ۲۲۹۰۰۱

پرنٹر پبلشر محمد حسن ندوی نے ایس، اے، آفسٹ پرنٹرس، مسجد کے پیچھے، پھاٹک عبداللہ خاں، سبزی منڈی، اسٹیشن روڈ، رائے بریلی سے طبع کرا کر دفتر "پیام عرفات"
مرکز الامام أبي الحسن الندوي، دارِ عرفات، تکیہ کلاں رائے بریلی سے شائع کیا۔

ادارية

ہوش کے ناخن لینے کی ضرورت

بلال عبدالحی حسنی ندوی

وزیر خارجہ کرشنا کے حالیہ دورۂ اسرائیل کے بعد ان کے بیان نے ہر انسانیت نواز اور انصاف پسند انسان کے دل میں ایک بے اطمینانی پیدا کر دی ہے، دنیا کے سب سے بڑی دہشت گرد ملک کے ساتھ مل کر دہشت گردی ختم کرنے کے لیے پلاننگ کی جائے اور دہشت گردی ختم کرنے کے لیے اس کو ضروری قرار دیا جائے، جو قوم پورے پورے ملک کو ہضم کر گئی ہو، جس نے انسانیت کا ننگا ناچ ناچا ہو، جہاں عورتوں اور بچوں پر ظلم وستم کے پہاڑ توڑے گئے ہوں اور پھر جس کی کل سیکڑوں سالہ تاریخ عیاری ومکاری سے بھری ہوئی ہو، جس کو دسیوں ملکوں نے عاجز ہو کر نکالا ہو، جو دنیا کے انسانوں کو جانوروں کا درجہ دیتی ہو اور اپنے آپ کو دنیا کے انسانوں کا آقا سمجھتی ہو، اور جو اپنے مشن کے لیے ہر برائی پھیلانے کے لیے تیار ہو، آج اس ظالم اور سب سے بڑی دہشت گرد قوم سے انصاف کی توقع کی جائے اور اس سے دہشت گردی ختم کرنے کے لیے مدد کی بھیک مانگی جائے اور وہ بھی اس ملک کی طرف سے مانگی جائے جو اپنی ایک سنہری تاریخ رکھتا ہو اور جس نے خود دوسرے ملکوں اور مظلوم قوموں کے لیے ہمیشہ آواز اٹھائی ہو۔

ہندوستان شروع سے فلسطین کے کاز میں وہاں کے عربوں کا ساتھ دیتا رہا ہے، یاسر عرفات سے ہندوستان کے گہرے روابط رہے ہیں اور اپنے اپنے دور میں مختلف وزرائے اعظم وہاں کے مظلوم طبقہ کے ساتھ رہے ہیں، مگر افسوس کی بات کہ مسٹر راجیو گاندھی کے بعد سے جو پالیسی تبدیل کی گئی حکومتوں کی تبدیلی کے باوجود پھر اس پالیسی پر حکومت دوبارہ لوٹ نہ سکی، جو یہاں کے لیے باعث فخر رہی ہے، اسرائیل سے جو روابط قائم کیے گئے اس میں اضافہ ہی ہوتا رہا اور اب حالت یہ ہے کہ حکومت کے وزراء اسرائیل کے دورہ کو اپنے لیے باعث فخر سمجھتے ہیں۔

یہ اس ملک کے لیے بڑے خطرہ کی بات ہے، یہودی قوم نہ کسی کی وفادار ثابت ہوئی ہے اور نہ اس سے اس کی توقعات وابستہ کی جاسکتی ہیں، ابھی ایک یہودی اخبار کے تازہ بیان نے اس کے مکھوٹے کو اتار پھینکا ہے اور ان کے اندر کی حقیقت اس سے اور زیادہ صاف ہوگئی ہے، وہ امریکہ جو عرصہ دراز سے اسرائیل کا پشت پناہ بنا ہوا ہے، اور کتنے مواقع پر اس نے اجڑتے ہوئے یہودیوں کو بسایا ہے، موجودہ امریکی صدر اوبامہ بھی اسی پالیسی پر چل رہے تھے مگر ان کے کسی طرز عمل کے کسی معمولی اختلاف کی بنا پر اس یہودی اخبار نے یہودیوں کی خفیہ ایجنسی کو ان کے قتل کے مشورہ دے ڈالا، اس سے یہودی ذہنیت کا اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ وہ اپنے معمولی مقاصد کے لیے کہاں تک جاسکتے ہیں اور یہ سارے حقائق ان کے پروٹوکول میں موجود ہیں۔

ملک کے بہی خواہوں کو اس سلسلہ میں بہت سوچنے کی ضرورت ہے، اس وقت اسرائیل ہندوستان میں اپنے مضبوط قدم جمانا چاہتا ہے، اس کی مختلف ایجنسیاں خفیہ طور پر یہاں کام کر رہی ہیں اور اب تو سر عام ان سے سودے بازی ہو رہی ہے، ہر طرح کے تعلقات بڑھانے کے لیے تجاویز پاس کی جارہی ہیں، یہاں کی اقتصادیات اور ذرائع ابلاغ پر ان کا قبضہ ہوتا چلا جارہا ہے، اگر یہی صورت حال جاری رہی تو وہ دن زیادہ دور نہیں کہ یہودی یہاں آقا بن کر حکومت کر رہے ہوں گے اور یہاں کی آبادی ان کی غلام بنی ہوئی ہوگی، امریکہ کی اس وقت تقریباً یہی صورت حال ہے، اس کے مقنن اول نے امریکہ کے اقتدار سنبھالنے والوں کو اس وقت خبر دار کیا تھا کہ یہودیوں کو یہاں کھلم کھلا آباد ہونے کے مواقع فراہم نہ کیے جائیں ورنہ ایک دن امریکہ ان کی غلامی میں چلا جائے گا، آج وہ پیشن گوئی حرف بحرف صحیح ثابت ہو رہی ہے، کچھ یہی صورت حال ہمارے اس ملک کی ہے، اگر یہاں بھی وہی تجربہ دہرایا گیا تو ہاتھ سے سب کچھ نکل جائے گا، ضرورت ہے کہ اہل حکومت ہوش کے ناخن لیں اور اس ملک کے مزاج کے مطابق ہر طرح کی فرقہ واریت سے دستبردار ہو کر ملک کی ترقی و بہبود کے لیے فکر مند ہوں اور منڈلاتے ہوئے خطرات کو سمجھیں اور ان کے مقابلہ کے لیے تیار ہوں۔

مولانا محمد رابع حسنی ندوی مدظلہٗ

صفات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم

ہر مسلمان کے لیے قابل اتباع نمونہ

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے صرف ہادی ہی بنا کر نہیں بھیجا بلکہ ان کو انسانیت وشرافت اور زندگی کے لیے صلاح وفلاح اور صفاتِ حسنہ کا نمونہ بھی بنا کر بھیجا، مزید یہ کہ انسانیت کو راہ راست اور معیار اعلیٰ پر لانے کے لیے ایسی کاوش کے ساتھ جس سے انسانوں کو جانوروں جیسی بے مہار زندگی سے نکل کر انسانیت کو خیر وکامیابی کی زندگی میں داخل ہونے کی راہ ملی، اور اس وقت دنیا کی بیشتر خوبیاں اور فائدے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دی ہوئی رہنمائی ہی کے نتیجہ میں حاصل ہوئیں، اللہ تعالیٰ نے اسی بنیاد پر ان کو رحمۃ للعالمینی کی صفت عطا فرمائی، اور ان کی حیات طیبہ کو انسانی شرافت اور خوبی کا ایسا نمونہ بنایا جس کو اختیار کرنے سے زندگی بھی درست ہوتی ہے، اور پروردگار کی خوشنودی بھی حاصل ہوتی ہے اور جس کے نتیجہ میں دنیاوی زندگی میں کی جانے والی کوششوں کا صلہ آخرت میں کامیابی کی صورت میں ملے گا۔

قرآن مجید میں فرمایا گیا: ﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ......﴾ (کہ تمہارے لیے اللہ کے رسول میں اچھا نمونہ ہے یہ اس شخص کے لیے جو اللہ سے امید قائم کرتا ہے اور آخرت میں (اللہ تعالیٰ کی رحمت کی) امید کرتا ہے اور اس نے اللہ کو بہت یاد کیا ہے)۔ اور فرمایا: ﴿قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ﴾ (کہ اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری پیروی کرو اللہ تم سے محبت کرے گا)، دنیا کی یہ محدود زندگی گزر جانے کے بعد آخرت کی جو لا متناہی زندگی ملے گی اس میں ہماری اس دنیاوی زندگی کے اعمال وافعال، وہاں جزا وسزا کے فیصلے کے لیے تولے جائیں گے، ان میں وزن اللہ کے حکم کی تعمیل کا دیکھا جائے گا، اور اس کے حکموں کی تعمیل اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے بتائے ہوئے طریقوں کی اتباع کے لحاظ سے سمجھی جائے گی، ہماری زندگی، ہمارے اعمال، ہمارے رسول کے اسوہ سے جس قدر قریب یا مطابق ہوں گے اسی کے بقدر وہ ہم کو آخرت میں کامیابی اور راحت دلائیں گے۔

ہم مسلمانوں کو اپنی اپنی زندگی کا جائزہ لیتے رہنا چاہئے کہ ہم اللہ کے رسول سے واقعی محبت کرتے ہیں یا ہم کو شیطان دھوکہ دے رہا ہے اور شیطان ایسا کرتا ہے کہ وہ انسان کے نفس کے اندر گھس کر اس کو بہکاتا ہے اور انسان کا نفس جب بہک جاتا ہے تو انسان کا سارا عمل بہک جاتا ہے خواہ اس کو یہ دھوکہ دیا گیا ہو کہ تمہارا عمل نہیں بہکا۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کی انسانی زندگی کو مختلف حالات سے گذروایا ہے غربت سے امارت سے دوستیوں سے دشمنیوں سے جنگ کے حالات سے مسرت کے حالات سے غم کے حالات سے خوشی کے حالات سے اولاد کے پیدا ہونے کی مسرت سے اور اولاد کے انتقال کر جانے کے رنج سے، ایسے حالات سے جن سے شکر گذاری کا جذبہ پیدا ہوتا ہے، ایسے حالات سے جن میں صبر کی ضرورت ہوتی ہے، غصہ دلانے والے حالات سے، جن میں اللہ کے رسول اگر اللہ کے حکم اور رضا کے مخالف معاملہ ہوتا تو غصہ کرتے اور اگر محض اپنی ذات کی بات ہوتی تو صبر وتحمل سے کام لے کر نظر انداز کر دیتے تھے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی حیاتِ طیبہ کے آخری حصہ میں ایک مرتبہ فرمایا کہ بھائیو! اگر کسی کو مجھ سے کوئی تکلیف پہنچی ہو تو یا معاف کر دے یا اس کا انتقام لے لے، قیامت کے لیے اسے اٹھا نہ رکھے وہاں کا بوجھ میں نہیں اٹھانا چاہتا، تو ایک صحابی نے عرض کیا کہ ایک مرتبہ آپ نے اپنی سواری کی طرف کوڑا اہلایا تھا میں قریب تھا میری پیٹھ پر لگ گیا تھا، آپ نے یہ سن کر برا نہیں

مانا بلکہ اپنی پیٹھ کھول دی اور فرمایا انتقام لے لو تا کہ یہاں کا معاملہ یہیں ختم ہوجائے ،صحابی تو صحابی تھے نیت انتقام کی کہاں ہوسکتی تھی بڑھ کر پیٹھ کو چوم لیا اور کہا کہ دراصل میں یہی چاہتا تھا دیکھیے رسول کا کردار کہ یہ بھی نہیں سوچا کہ ایک اُمتی اپنے رسول سے انتقام لے لے گا اور ایک ایسی معمولی بات پر جو بلا ارادہ ہوگئی تھی ،آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ناگواری کا ذرا بھی اظہار نہ فرمایا بلکہ انتقام دینے کو تیار ہوگئے ،دوسری طرف صحابی کا کردار کہ انتقام کی نیت ہی نہ تھی محض اظہارِ محبت کے لیے پیٹھ کھلوانا اور اس کو چوم لینا مقصود تھا ،حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے بچپن ہی سے مختلف دشوار گذار حالات سے گذرے بلکہ دراصل ان کو ان حالات سے گذروایا گیا تا کہ ہر طرح کے حالات کے لیے نمونہ بنیں۔

آپ شروع زندگی ہی میں غربت اور بے چارگی کے حالات سے گذرے کہ والد صاحب کا انتقال آپ کے پیدا ہونے سے پہلے ہی ہوگیا آپ پیدا ہوئے تو یتیمی کی حالت میں پیدا ہوئے ،باپ کا سایہ نہیں ماں غم زدہ اور بے سہارا پھر والدہ کا انتقال بھی ابھی آپ بالکل بچے تھے کہ ہوگیا ،دادا جنھوں نے باپ کہ جگہ لے لی تھی وہ بھی آپ بالکل کم عمری میں تھے کہ انتقال کر گئے آپ کے سرپرست صرف چچا رہ گئے تھے جن کے خود کئی صاحبزادے تھے آمدنی بہت قلیل تھی گذارا مشکل سے ہوتا تھا ،یہ سب زحمتیں آپ نے آغاز جوانی ہی میں برداشت کیں ،اور اس کے باوجود صبر اور سنجیدگی متانت اور نیک نفسی کا معیار قائم کردیا کہ قریش نے صادق اور امین کا خطاب دیا کہ نہایت سچے ، دیانتدار نوجوان ہیں ، پھر اللہ تعالیٰ نے فراغت اور کشائش بھی عطا فرمائی کہ جوان ہوکر آپ کاروبار تجارت میں شریک ہوئے اور خوشحالی ملی ، اس میں آپ سنجیدگی سخاوت اور غریب اشخاص کے ساتھ ہمدردی کرنے کی صفات سے آراستہ رہے اور اپنے رب کا شکر ادا کرتے رہے ،پھر جب نبی قرار دیئے گئے اور آپ نے دین کی دعوت کا کام شروع کیا تو مخالفتوں سے سابقہ پڑا بلکہ سخت زیادتیاں کی جانے لگیں ،آپ پر گندگی تک ڈالی گئی لیکن آپ نے کبھی اس کا انتقام نہیں لیا اور نہ مخالفت کرنے والوں پر غصہ کیا ،بس اپنے پروردگار سے دعا کرتے رہے ،مکہ والوں نے جب بہت پریشان کیا تو طائف گئے وہاں جا کر دعوت دی وہاں کے لوگوں نے سخت اذیتیں پہنچائیں جسم لہولہان ہوگیا حتی کہ اللہ کی رحمت جوش میں آگئی فرشتہ کو بھیجا کہ دریافت کرو کہ آپ چاہیں تو ابھی ان لوگوں پر عذاب لے آیا جائے آپ نے فرمایا نہیں ،یہ لوگ نہیں تو شاید ان کے بعد میں آنے والی اولاد اچھا معاملہ کرے ،میں تو صرف اپنے رب کی رضا چاہتا ہوں وہ اگر مجھ سے ناراض نہیں تو مجھے کسی بات کا غم نہیں۔

آپ کی صفات طیبہ کا ذکر کرنے والے کہتے ہیں کہ آپ نے کبھی کسی کو مارا نہیں نہ گھر کے کسی فرد کو نہ کسی خادم کو ،آپ کسی پر غصہ نہ کرتے تھے ،ہاں اگر حق کے خلاف کوئی بات کی جاتی تو آپ کو بے حد غصہ آجاتا ،مجلس میں آتے تو کسی کو ہٹاتے نہیں اور نہ بیچ میں گھس کر بیٹھتے بلکہ جہاں جگہ ہوتی وہیں بیٹھ جاتے ، یہ بات الگ تھی کہ پھر وہی جگہ مجلس کی مرکزی جگہ بن جاتی ، ملاقاتی اگر دور سے آیا ہوتا اور اجنبی ہوتا تو اس کی بات صبر کے ساتھ سنتے اور پوری بات کرنے دیتے اور ہمدردی کا جواب دیتے ،کبھی کوئی سائل اس طرح مانگتا کہ پریشان کردیتا لیکن آپ صرف نرم بات کہتے کہ اس وقت ہمارے پاس کچھ دینے کو نہیں ہے اگر ہوتا تو دے دیتے ،اور اگر آپ کے پاس ہوتا تو مانگنے والے کو اپنی بڑی سے بڑی چیز دے دیتے اور فرماتے کہ میں بخیل نہیں ہوں۔

ہر وقت اپنے پروردگار کی ناراضی سے ڈرتے رہتے ، ذرا تیز ہوا چلتی تو ڈرتے کہ کہیں اللہ کی پکڑ یا عذاب تو نہیں ، فوراً استغفار کرتے ،نماز پڑھتے اور اللہ کی رضا چاہتے ،اللہ کی عبادت میں رات کا بڑا حصہ گذار دیتے کہ پیروں میں ورم ہوجاتا ،اور جب کہنے والا کہتا کہ آپ اتنی مشقت کیوں کرتے ہیں، آپ کے تو اگلے پچھلے سب گناہ معاف ہیں تو فرماتے کہ کیا میں اپنے پروردگار کا شکر گذار بندہ نہ بنوں ،اس طرح ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نرم گرم ہر طرح کے حالات کا سامنا کیا اور ایمان والوں کے لیے صبر وشکر کا بہترین نمونہ پیش کردیا ،عبادت میں اور اپنے پروردگار کی خوشنودی حاصل کرنے میں اعلی معیار قائم کردیا انسانوں کے ماتھ ہمدردی اور حسن اخلاق کا شاندار نبوی اسوہ قائم کردیا۔..........

(باقی اگلے صفحہ پر)

گفتگو کے آداب

مولانا محمد ثانی حسنیؒ

انسانی کمالات کا اندازہ بہت کچھ گفتگو سے ہو جاتا ہے، اگر کوئی شخص آپ سے گفتگو کر رہا ہو تو آپ بخوبی اندازہ لگا سکتے ہیں کہ یہ شخص الجھے ہوئے خیالات کا ہے یا سلجھے ہوئے، یہ متحمل مزاج ہے یا غصہ ور، اور کینہ جو۔ یہ اہل علم میں ہے یا جاہلوں میں اس کا شمار ہے، اس لیے گفتگو کی بڑی اہمیت ہے، زبان اور اس کے الفاظ انسانی صفات کے آئینہ دار ہوتے ہیں۔

(۱) گفتگو کرنے کا سب سے پہلا ادب یہ ہے کہ گفتگو نرم الفاظ سے ہو، سخت کلمات منہ سے نکلنا' پتھر مار دینے کے برابر ہے، اس سے مخاطب بجائے فائدہ اٹھانے کے چڑ چڑا اور ضدی ہو جاتا ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ نے خود سرور کائنات سے فرمایا: ﴿وَاخۡفِضۡ جَنَاحَكَ لِلۡمُؤۡمِنِيۡنَ﴾ (اپنے بازو نرم کیجیے مومنین کے لیے)، دوسری جگہ ارشاد ہے: ﴿وَلَوۡ كُنۡتَ فَظًّا غَلِيۡظَ الۡقَلۡبِ لَانۡفَضُّوۡا مِنۡ حَوۡلِكَ﴾ (اگر آپ سخت گو اور سخت مزاج ہوتے تو یہ لوگ آپ کے پاس سے منتشر ہو جاتے)۔

خود رسول اللہ ﷺ نے امت کو ہدایت فرمائی کہ نرم زبان اختیار کی جائے اور خود اس پر عمل کیا، آپ نے کسی سے بھی سخت لہجہ میں گفتگو نہیں فرمائی، بلکہ اس طرح گفتگو کرنے والے کو تنبیہ فرمائی ہے۔

(۲) ٹھہر ٹھہر کر گفتگو کرنا، بات اس طرح کی جائے کہ مخاطب سمجھ جائے، جلدی جلدی بات کرنا خلاف تہذیب ہے، بعض بہنوں اور بھائیوں کی عادت ہوتی ہے کہ وہ ایک زبان میں سو باتیں کر جاتے ہیں، نہ خود ان کے پلے کچھ پڑتا ہے نہ سننے والے کے پلے، رسول اللہ ﷺ کس طرح گفتگو فرماتے تھے' حضرت عائشہؓ کی زبانی سنئے! فرماتی ہیں کہ حضور ﷺ کا کلام (گفتگو) بالکل کھلا کھلا ہوتا تھا، ہر سننے والا بخوبی سمجھ جاتا تھا۔

(۳) کسی کی بات کاٹنا، کسی کی گفتگو میں خواہ مخواہ دخل دینا بھی غلط اور حماقت کی بات ہے، قاعدہ یہ ہے کہ اگر کوئی شخص بات کر رہا ہے تو اس کی بات سن کر، پھر اپنی بات کہنا چاہیے تاکہ کہنے والے کی بات بھی سمجھ میں آجائے اور اگر اس کو کوئی جواب دینا ہے یا اس کی تردید کرنا ہے تو اچھے طریقے سے موثر بات زبان سے ادا ہو سکے، یہ مرض عام طور پر عورتوں میں پایا جاتا ہے کہ ایک ساتھ کئی کئی بولنے لگتی ہیں، جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ کسی کی بات کسی کی سمجھ میں نہیں آتی اور سب کی باتیں شوروغوغا میں کھو جاتی ہیں۔

غرض کہ گفتگو ہو، یا کسی کی گفتگو کا جواب، کسی چیز کی تلقین ہو یا کسی کی تردید، مذکورہ آداب کا خیال ضروری ہے اور حکمت و نرم گفتگو کا لحاظ ضروری ہے، ان کی وجہ سے خود کو بھی فائدہ پہنچے گا اور دوسروں کی نگاہوں میں بھی وقعت پیدا ہوگی، آپ ان آداب کا خیال کریں گے تو لوگ آپ کی بات سننا پسند کریں گے، بات غور سے سنیں گے اور اثر قبول کریں گے۔

بقیہ: صفات نبوی ﷺ

اور ہم انسانوں کو ہمارے پروردگار نے حکم دیا کہ اس عظیم اور رحمۃ للعالمین رسول کی پوری پیروی کریں کہ اس میں ہماری کامیابی اور نجات ہے، اور ہم کو اس کا حساب آخرت میں اپنے پروردگار کے سامنے دینا ہے اس کے لیے ہماری اسی دنیا کی زندگی کو ہمارے لیے میدان عمل بتایا گیا ہے، اسی میں ہم کو اپنے عمل سے ثابت کرنا ہے کہ ہم کو اپنے پروردگار سے محبت ہے یا نہیں، ہم اس کی رضا چاہتے ہیں یا نہیں، اور جبکہ اس کے لیے اس کے آخری رسول محمد ﷺ کی پیروی کو ضروری قرار دیا گیا ہے، تو ہم کو آخرت میں کامیابی اور اپنے پروردگار کی رضا اسی کے بقدر ملے گی، جس قدر ہم اپنے رسول مقبول حضرت محمد ﷺ کی پیروی کریں گے اور ان کے اسوۂ طیبہ کی نقل کریں گے اور ان سے محبت کا صحیح ثبوت دیں گے۔ اللہ توفیق عطا فرمائے۔ آمین

دنیا کی محبت ہر برائی کی جڑ

مولانا عبداللہ حسنی ندوی

حدیث میں ہے کہ "حب الدنیار أس كل خطيئة" دنیا کی محبت ہر برائی کی جڑ ہے۔ اصل مسئلہ یہ ہے کہ دنیا کی محبت نکل جائے، دنیا کی محبت اللہ تعالیٰ کے ذکر سے نکلتی ہے، اس لیے کہا گیا ہے کہ کثرت سے ذکر کرو۔ آج کل سارے دل دنیا کی محبت میں چور ہیں اور اس کی وجہ سے پریشان ہیں، چاہے بوڑھا ہو، چاہے جوان ہو یہاں تک کہ دیندار طلباء جو فارغ ہوتے ہیں اور دین کا کام کرنا چاہتے ہیں ان کے والدین دیکھتے ہیں دیندار لیکن ان کے پیچھے پڑے رہتے ہیں تم ہم کو کما کر لا کر دو، کتنے بے چارے آکر شکایت کرتے ہیں کہ ہم کیا کریں والدین پریشان کیے ہوئے ہیں کہ زیادہ پیسہ کما کر لاؤ ہم نہیں جانتے کہ کہاں سے لاؤ، ہم کو پیسہ چاہیے۔ جو لوگ جاہل ہیں یا معمولی کاشتکار ہیں وہ تو بیچارے کسی کام کے نہیں، نہ روٹی ملتی ہے نہ دین ملتا ہے، بھینس چرانے میں لگا دیا، کسی معمولی کام پر بیٹھا دیا، ۱۵/روپئے دن بھر میں لاکر دیتا ہے بس اسی میں خوش ہیں۔ جب دنیا کی محبت دل و دماغ پر چھا جاتی ہے تو پھر بڑے ہوں یا چھوٹے معاملہ یہ ہوتا ہے کہ روپیہ پیسہ ہی سب کچھ بن جاتا ہے۔

ایک بڑے عالم دین نے ایک مرتبہ کہا کہ ہم گومتی کے پل پر کھڑے ہوتے تھے، ہمارے ایک بزرگ آئے انہوں نے کہا کہ دیکھو یہ آدمی جا رہا ہے یہ کس چیز سے جا رہا ہے؟ سائیکل سے، یہ کون ہے؟ آدمی ہے۔ دوسرا موٹر سائیکل سے گزرا تو وہ کہتے رہے کہ نہیں یہ دو روپیہ جا رہا ہے، یہ پانچ روپیہ جا رہا ہے، یہ دس روپیہ جا رہا ہے بعض پانچ میں خوش ہیں، بعض دس میں خوش ہیں، بعض دس ہزار میں خوش ہیں، انھیں دس لاکھ چاہیے لیکن فکر ایک ہی ہے، چاہے بڑے سے بڑا سیٹھ ہو یا معمولی درجہ کا بیڑی پینے والا آدمی ہو، سب کا دل و دماغ بس ڈوبا ہوا ہے پیسے میں۔ اسی لیے آپ ﷺ نے فرمایا کہ دین میں اپنے سے اوپر والے کو دیکھو اور دنیا میں اپنے سے نیچے والے کو دیکھو۔ لیکن اب تو اکثر معاملہ الٹا ہے، دین میں تو نیچے والے کو دیکھتے ہیں، ارے وہ بھی تو نماز نہیں پڑھتے، وہ بھی تو تراویح نہیں پڑھتے، ارے وہ نہیں پڑھتے تو تم پڑھو، اس میں اپنے سے نیچے والے کو دیکھیں گے۔ اور دنیا کے معاملہ میں اوپر والے کو دیکھیں گے کہ فلاں موٹر سے چل رہا ہے، اس کا گھر بن گیا ہے اور آپ ابھی تک کوٹھری میں رہ رہے ہیں، اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ خود بھی پریشان اور دوسرے بھی پریشان، اس طرح ہر وقت پریشان رہے گا اور نہ جانے کن کن امراض میں مبتلا رہے گا۔

اس لیے اچھوں کی صحبت میں جب آدمی رہتا ہے تو اس کا دل اچھا ہو جاتا ہے، دنیا کی محبت نکل جاتی ہے اور اللہ والا وہی ہے جس کے دل میں دنیا کی محبت نہ ہو۔ یہ اللہ والوں کی نشانی ہے، جھوٹ نہ بولتا ہو، نماز کی پابندی کرتا ہو، یہ موٹی موٹی علامات ہیں اس لیے پہچاننا آسان ہے۔ سب سے پہلے دیکھ لیں کہ جھوٹ تو نہیں بولتا، نماز کی پابندی کرتا ہے اور تیسری چیز اپنی خواہش کے چکر میں تو نہیں پڑا رہتا ہے، کھانا، کپڑا، پیسہ بس اسی کی فکر یا شہرت و ناموری کی۔ اللہ کے جو نیک بندے ہوتے ہیں ان کو پیسہ کی پرواہ نہیں ہوتی ہے، سونے کا ڈلا اور مٹی کا ٹھیکرا دونوں برابر ہو جاتے ہیں۔ پیسہ ان کے پاس آتا ہے لیکن سب بانٹ دیتے ہیں، نہ شہرت کے لیے بھاگتے ہیں نہ ناموری کی ترکیبیں کرتے ہیں۔

اسی صحبت کی برکتوں کے لیے ہمارا پورا نظام اجتماعیت کے ساتھ مربوط کر دیا گیا ہے کیوں کہ اجتماع میں ہر شخص کو دوسرے سے فائدہ پہنچتا ہے، اس اجتماعیت کی ایک اچھی شکل نماز باجماعت ہے، اس کا فائدہ ایک دوسرے کو پہنچتا ہے۔ اسی طرح جب حج کرتے ہیں تو ایک ساتھ رہنے کا فائدہ ہوتا ہے، روزہ ایک ساتھ رکھنا ہے، حج ایک ساتھ کرنا ہے اسی طرح ایک ساتھ رہنے کا حکم ہے، جب اچھے لوگوں کے ساتھ ہم ملیں گے جُلیں گے تو ہمارے اندر بھی اچھائی پیدا ہوگی۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو صحیح صحبت عطا فرمائے۔

سیرت نبوی (صلی اللہ علیہ وسلم) کے آئینہ میں ہماری تصویر

مولانا جعفر مسعود حسنی ندوی

ماہ ربیع الاول کی آمد آمد ہے، اس کے مبارک موقع پر عید میلاد النبی کی محفلیں سجتی ہیں، خطباء اور واعظین کی پر جوش و ولولہ انگیز تقریریں ہوتی ہیں، نعتیہ مشاعروں کا اہتمام ہوتا ہے، اور پوری رات یہ سلسلہ جاری رہ کر صبح کی اذان پر اختتام کو پہنچتا ہے، لیکن پوری رات جاگ کر جب لوگ اپنے گھروں کو لوٹتے ہیں تو وہ یہ نہیں بتاسکتے کہ حضور پاک محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی گھریلو زندگی اور سماجی زندگی کیسی تھی، وہ معراج کا واقعہ بیان کرسکتے ہیں، غزوہ احد کی تفصیلات آپ کے سامنے رکھ سکتے ہیں، آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے معجزات پر روشنی ڈال سکتے ہیں، غار حرا میں آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی عبادت کی منظر کشی کرسکتے ہیں، مکہ سے مدینہ ہجرت کی روداد بیان کرسکتے ہیں، مدینہ میں ہونے والے آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے استقبال کا نقشہ کھینچ سکتے ہیں، آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی اونٹنی ''قصوا'' کے حضرت ابوایوب انصاریؓ کے دروازہ پر ٹھہرنے کا منظر بیان کرسکتے ہیں، لیکن آپ ﷺ کی گھریلو اور سماجی زندگی کے بارے میں وہ بالکل لاعلم اور خاموش نظر آتے ہیں، حالانکہ سیرت پاک کا وہ پہلو جو گھریلو اور سماجی زندگی سے تعلق رکھتا ہے، انسانی زندگی میں بڑی اہمیت کا حامل ہے، عبادات کے معاملہ میں سیرت ہماری یقیناً پوری رہنمائی کرتی ہے بلکہ عبادت کو قابل قبول بنانے میں سیرت کا بنیادی کردار ہے، اگر عبادات میں سنتوں کا خیال نہ رکھا جائے اور آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے بتائے ہوئے طریقہ کے مطابق اس عبادت کو انجام نہ دیا جائے تو وہ عبادت بے روح اور بے جان ہے، اور اس عبادت کے وہ اثرات مرتب نہیں ہوسکتے جن کا وعدہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔

لیکن کیا آنحضور (صلی اللہ علیہ وسلم) کا سارا وقت مسجدوں میں گزرا؟ کیا آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) ان ضروریات سے مبرا تھے جو ضروریات انسانی زندگی میں پیش آتی ہیں؟ کیا آپ ﷺ نے اپنی زندگی کے بیشتر لمحات صحراؤں اور غاروں میں گزارے جہاں انسانوں سے سابقہ کم پڑتا ہے؟، اگر ایسا ہوتا تو یہ آیت ''لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ'' بے معنی ہو کر رہ جاتی، یقیناً آپ کی زندگی میں وہ تمام مسائل پیش آئے جو کسی بھی انسان کو عمر کے کسی بھی مرحلہ میں پیش آسکتے ہیں، آپ کا بچپن بھی گزرا، جوانی بھی گزری اور جوانی کے بعد کا مرحلہ بھی گزرا، بچپن کی خواہشات، جوانی کے تقاضے اور جوانی کے بعد کے مسائل بھی آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو پیش آئے، رہن سہن، طرز زندگی اور لین دین کے سلسلہ میں بھی آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے امت کے سامنے ایک نمونہ پیش کرکے دکھادیا، ہمیں ان نمونوں کو بھی سامنے لانے کی ضرورت ہے۔

ہم وضو میں خیال کرتے ہیں سنتوں کا، غسل میں اہتمام کرتے ہیں مسنون طریقہ اپنانے کا، پانی پیتے ہیں تو کوشش کرتے ہیں کہ بیٹھ کر پئیں، اور تین سانسوں میں پئیں، کھانے میں دایاں ہاتھ استعمال کرتے ہیں، پلیٹ صاف کرتے ہیں، انگلیاں چاٹتے ہیں، کھانے کے بعد کی دعا پڑھتے ہیں، کیوں کہ ہمارے پیارے نبی محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ہمیں یہ سب بتایا، بلکہ کرکے دکھایا، لیکن کیا حضور پاک (صلی اللہ علیہ وسلم) نے صرف انہی چیزوں میں ہماری رہنمائی فرمائی جو ہماری انفرادی زندگی سے تعلق رکھتی ہیں؟ اور کیا آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے صرف انہی چیزوں کے سلسلہ میں ہمیں ہدایات عطا فرمائیں جن کو عبادات کہا جاتا ہے؟

کیا آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے گھر میں رہنے کے آداب نہیں بتائے؟ کیا آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے سڑک پر چلنے کا طریقہ بیان نہیں فرمایا؟ کیا راستہ پر کھڑے رہنے والوں پر آپ نے کچھ ذمہ داریاں نہیں ڈالیں؟ کیا پڑوسیوں کے ساتھ حسن سلوک کی تعلیم آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے نہیں دی؟ کیا راستہ سے تکلیف دہ چیز ہٹانے

کو صدقہ قرار نہیں دیا؟ کیا بیمار کی عیادت کی فضیلت کے سلسلے میں زبان نبوت خاموش ہے؟ کیا مسلمان بھائی سے مسکرا کر ملنا باعث اجر وثواب نہیں ہے؟ کیا نرم دلی، نرم مزاجی، تواضع اور انکساری صفات نبویہ میں سے نہیں ہیں؟

والدین کے ساتھ حسن سلوک کی تاکید کس نے فرمائی؟ بیوی کے حقوق ادا کرنے پر زور کس نے دیا؟ یتیموں، مسکینوں اور بیواؤں کی کفالت کرنے پر بشارت کس نے دی؟ امانت دار تاجر کے لیے حشر کی گرمی میں عرش کے سایہ کا وعدہ کس نے کیا؟ غیبت، چغل خوری، الزام تراشی اور عیب جوئی کو بدترین گناہ کس نے قرار دیا؟ جھوٹ، خیانت، اور وعدہ خلافی کو نفاق کی علامتوں میں کس نے شمار کیا؟

آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی زندگی میں خوشی کے لمحات بھی آئے، اور حزن وملال کے بھی، آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اپنی چہیتی بیٹیوں کو دلہن بنا کر رخصت بھی کیا اور اپنے لخت جگر حضرت ابراہیمؑ کو اپنے ہاتھوں قبر میں اتارا بھی، آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے میدان جنگ میں اسلامی لشکر کو آگے بڑھتے ہوئے بھی دیکھا اور پیچھے ہٹتے ہوئے بھی، صلح کے واقعات بھی آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی زندگی میں پیش آئے اور جنگ کے بھی، آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے جان چھڑکنے والے صحابہ کرام کی محبت بھی دیکھی اور خون کے پیاسے دشمنوں کی عداوت بھی، آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے معاف کرکے بھی دکھایا اور تنبیہ فرما کر بھی، آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے دفاع بھی کیا اور اقدام بھی، آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو سابقہ قیدیوں سے بھی پڑا اور غلاموں سے بھی، امراء سے بھی اور سرداروں سے بھی، آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے خود بھوکے رہ کر دوسروں کو کھلانے کا سبق دیا، اپنوں کو محروم رکھ کر غیروں کو نوازنے کا نمونہ پیش کیا، پسینہ خشک ہونے سے پہلے مزدور کو اس کی مزدوری کی تلقین کی، خواتین کے ساتھ نرمی برتنے کا حکم دیا، امیر کی اطاعت کو لازم قرار دیا۔

آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی مجلس کے بارے میں آتا ہے کہ وہ علم و حیا کی مجلس ہوتی تھی، نہ اس میں کسی پر تہمت لگتی تھی، نہ کسی پر الزام تراشی ہوتی تھی، نہ کسی کا راز کھلتا تھا، نہ کسی کے عیب کا چرچا ہوتا تھا، نہ کسی کی رسوائی کا کسی کو کوئی موقع ملتا تھا، اس میں صبر کی تلقین ہوتی تھی، امانت و دیانت داری کا سبق ہوتا تھا، علم و حکمت کی باتیں ہوتی تھیں، اس میں ہر بڑا قابل احترام تھا اور ہر چھوٹا لائق عنایت وشفقت۔

ذرا آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے گھر پر نظر ڈالیے، صرف ایک کمرہ ہے اور وہ بھی اتنا تنگ کہ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نماز پڑھتے تو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اپنے پاؤں نہیں پھیلا سکتی تھیں، اسی لیے روایات میں آتا ہے کہ جب تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم قیام میں یا رکوع میں ہوتے تو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اپنے پاؤں پھیلائے رہتیں اور جب آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) سجدہ میں جاتے تو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اپنے پاؤں سمیٹ لیتیں، تب آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) سجدہ فرماتے، اتنا تنگ مکان اور اتنی تنگ آرام گاہ تھی آپ کی، اس مکان کے فرنیچر کو تو دیکھیے، صرف اور صرف دو چیزیں تھیں، ایک تخت اور صرف ایک کرسی تھی، جس کے چار پائے تھے، اور وہ لوہے کے تھے، باقی اس میں لکڑی فٹ تھی، ان دو چیزوں کے علاوہ کوئی چیز آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے گھر میں بطور فرنیچر نہیں تھی۔

دروازہ پر پردہ ضرور تھا، لیکن وہ بھی بہت معمولی، آرائش کے لیے نہیں، سجاوٹ کے لیے نہیں، مکان کے زیب و زینت بڑھانے کے لیے نہیں، بلکہ صرف اس لیے کہ اچانک دروازہ کھلنے پر بے پردگی نہ ہو اور اگر دروازہ پر کوئی کھڑا ہو جائے تو سامنا نہ ہو۔

گھر میں آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کا وقت کیسے گزرتا تھا؟ وہ بھی حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی زبانی سنیے، فرماتی ہیں: آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) سخت مزاج شوہروں کی طرح نہیں تھے، اپنے کپڑے خود ہی سی لیتے، خود ہی چپل ٹانک لیتے، خود بکری کا دودھ دوہ لیا کرتے تھے، اور گھر میں آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) اسی طرح کام کاج کرتے تھے، جس طرح دوسرے تمام مرد اپنے گھروں میں کام کرتے ہیں، آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) فرمایا کرتے تھے: ''تم میں سب سے بہتر وہ ہے جو اپنے گھر والوں کے لیے سب سے بہتر ہو، اور میں اپنے گھر والوں کے لیے تم سب سے بہتر ہوں''۔

بچوں کے ساتھ آپ کا رویہ اتنا محبت آمیز ہوتا تھا کہ بچے آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے گرویدہ ہوجاتے تھے، بچوں سے آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) بہت پیار فرماتے، خود ہی ان کو سلام کرتے، ان کے سروں پر ہاتھ پھیرتے، ان کے درمیان کبھی کبھی مقابلہ کرا دیتے، جب آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) سفر سے واپس تشریف لاتے تو گھر کے بچے آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کا استقبال کرنے دوڑتے، آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کسی کو پیار، کسی کو اپنی سواری پر پیچھے بٹھالیتے، کسی کو ہاتھوں پر اٹھالیتے اور گود میں لے لیا کرتے۔

غریبوں، کمزوروں، مریضوں سے ملنے خود جاتے، اور ان کے غم کے ازالہ کی تدبیریں کرتے، ان کی پریشانیوں اور تکلیفوں پر اجر وثواب کی امید دلا کر ان کے احساسات کو بدلنے کی کوشش کرتے۔

آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اس ولیمہ کو بدترین ولیمہ قرار دیا جس ولیمہ میں امیروں کو تو دعوت دی جائے اور غریبوں کو، مسکینوں کو نظر انداز کردیا جائے، آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا کہ میں مسکینوں سے محبت کرتا ہوں۔

اب آیئے ایک نظر ڈالتے ہیں نبی آخر الزماں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی آخری ہدایات بلکہ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی وصیت پر، ذرا سوچیے دل پر ہاتھ رکھ کے، کس کی وصیت ہے؟ کس کو کی جارہی ہے؟ کس موقع پر کی جارہی ہے؟ ایک باپ وصیت کرتا ہے تو اولاد کے لیے اس سے زیادہ عار کی بات اور کوئی سمجھی نہیں جاتی کہ اولاد نے اپنے باپ کی وصیت پر عمل نہیں کیا، چہ جائیکہ وصیت کرنے والی ذات ذات نبوی ہو، جس کے لیے محبت واحترام اور اطاعت وفرمانبرداری کی ادنیٰ سے کمی صاحب ایمان کو ایمان کے دائرے سے باہر کردینے کے لیے کافی ہے، خود آپ ہی کا ارشاد ہے کہ تم میں سے کوئی اس وقت تک مومن نہیں ہوسکتا جب تک کہ میں اس کو اس کے والدین اور خود اس کی جان سے زیادہ محبوب نہ ہوجاؤں۔

حجۃ الوداع کے موقع پر دیکھیے آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے کیا فرمایا:
''عربی کو عجمی پر اور عجمی کو عربی پر کوئی فضیلت نہیں، تم سب آدم کی اولاد ہو، اور آدم خاک سے بنے تھے۔ جاہلیت کے تمام خون یعنی انتقام خون باطل کردیے گئے، اور سب سے پہلے میں اپنے خاندان کا خود ربیعہ بن حارث کے بیٹے کا خون باطل کرتا ہوں۔ جاہلیت کے تمام سود بھی باطل کردیے گئے، اور سب سے پہلے میں اپنے خاندان کا سود عباس ابن عبد المطلب کا سود باطل کرتا ہوں۔ بے شک تمہارا خون اور تمہارا مال اور تمہاری آبرو تا قیامت اسی طرح حرام ہے جس طرح یہ دن یہ مہینہ اور یہ شہر حرام ہے۔ عورتوں کے معاملے میں خدا سے ڈرو، کیونکہ وہ تمہارے زیر اثر ہیں، وہ اپنے معاملہ میں اختیار نہیں رکھتیں، لہذا ان کا تم پر حق ہے، انھیں کھانے، کپڑے کا حق پوری طرح حاصل ہے، تم نے انہیں خدا کی امانت کے طور پر اپنی رفاقت میں لیا ہے۔ میں تم میں ایک چیز چھوڑ کر جارہا ہوں، اور تم اس کو مضبوطی سے پکڑے رہنا، اگر تم نے ایسا کیا تو تم گمراہ نہ ہوگے، وہ چیز کیا ہے؟ کتاب اللہ۔ میرے بعد گمراہ نہ ہوجانا کہ ایک دوسرے کی گردن مارنے لگو، تم کو خدا کے سامنے حاضر ہونا پڑے گا، اور وہ تم سے تمہارے اعمال کی بازپرس کرے گا۔ اگر کوئی حبشی کان کٹا غلام بھی تمہارا امیر ہو اور وہ تم کو خدا کی کتاب کے مطابق لے چلے تو اس کی اطاعت وفرمانبرداری کرنا۔ رسم ورواج کے بندھن میں جکڑے ذات وبرادری کے خانوں میں بٹے، انتقام کی آگ میں سلگتے، نفرت وعداوت کی آندھیوں کے ہچکولے کھاتے، ذرا ذرا سی بات پر دوسروں کی ٹوپیاں گراتے اور پگڑیاں اچھالتے اور سود کی حرمت کے خلاف بگل بجاتے، آج کے اس معاشرے میں سیرت پاک کے ان نمونوں کو بھی سامنے لانے کی ضرورت ہے، اور جب تک زندگی کے ہر میدان میں سیرت پاک کے نمونوں کو نہیں اپنایا جائے گا، اس وقت تک مکمل دین ہماری زندگیوں میں نہیں آپائے گا، یہی ''اُدْخُلُوا فِي السِّلْمِ كَآفَّةً'' (داخل ہوجاؤ ایمان میں پورے پورے) ''مَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا'' (تم کو حضور پاک کی طرف سے جو بھی حکم ملے اس کو پورا کرو، اور جس کام سے آپ ﷺ منع فرمائیں، اس سے باز رہو) کا پیغام ہے۔

بلال عبدالحی حسنی ندوی

قصہ ایک کسان اور اس کے بیٹوں کا

ہزاروں سال پہلے کی بات ہے؛ کسی گاؤں میں ایک کسان رہتا تھا، وہ بڑا خدا ترس اور نیک مزاج تھا، اللہ تعالیٰ نے اس کی کھیتی باڑی میں بڑی برکت رکھی تھی، پیداوار کا بڑا حصہ وہ غریبوں اور ضرورت مندوں کے لیے وقف کردیتا تھا، کٹائی کے وقت محتاجوں کا بڑا مجمع اس کے کھیتوں کے پاس جمع ہوجاتا، وہ سب کو خوشی خوشی کچھ نہ کچھ ضرور دیتا، کسی کو خالی ہاتھ واپس نہ کرتا، زمانہ ایسے ہی گزرتا رہا، اللہ تعالی نے اس کو کئی فرزند عطا فرمائے جو اس کا ہاتھ بٹاتے، ہنسی خوشی زندگی بسر ہورہی تھی، کسان اب بوڑھا ہو چلا تھا، اس کے جوان بیٹے سب کام کاج کرتے، ان کو باپ کی دادو دہش زیادہ پسند نہ تھی، لیکن سب باپ کی بات مانتے تھے اور اس کی خواہش کے احترام میں اس کے خلاف کچھ نہ کرتے، ایک دن وہ اللہ کا نیک بندہ چل بسا، بیٹوں کو باپ سے محبت تھی، عرصہ تک وہ صدمہ سے نڈھال رہے، پھر آہستہ آہستہ زندگی اسی رفتار سے چلنے لگی۔

پیداوار اس مرتبہ بھی بہت اچھی ہوئی تھی، بیٹوں کے دل میں بار بار خیال آتا تھا کہ محنت سب ہم کو کرنی پڑتی ہے، دوسروں کا اس میں کیا حق بنتا ہے، اب باپ کا بھی انتقال ہوچکا تھا، اس لیے انھوں نے آپس میں مشورہ کیا کہ جو بھی پیداوار ہو وہ سب ہم لوگوں کو حاصل ہوجائے دوسروں کو اس میں سے کچھ نہ دینا پڑے، منجھلے بھائی نے کچھ اعتراض بھی کیا کہ باپ کے طریقہ سے ہٹنا مناسب نہیں، لیکن سب کی رائے ایک تھی، مجبورا اس کو بھی دبنا پڑا، بات یہ ٹھہری کہ ایسے وقت کٹائی کی جائے کہ کسی کو پتہ ہی نہ چلے اور پھر بھی اگر کوئی آنے لگے تو اس کو روک دیا جائے اور مرتبہ سارا غلہ گھر میں لایا جائے، اب ہم لوگوں کی تعداد بھی بڑھ رہی ہے اور ضرورت بھی زیادہ ہے۔

ایک دن سویرے سویرے سب کے سب چپکے سے نکلے تا کہ کسی کو خبر نہ ہو اور وہ پورا غلہ کاٹ کر اپنے گھروں کو لے آئے، خوشی خوشی جب وہ کھیت پر پہنچے تو وہاں دنیا ہی دوسری تھی، کھیت سب کے سب تہس نہس ہو چکے تھے، سب کے چہرے فق ہو گئے، ایک بولا کہ ہم غلط جگہ تو نہیں آ گئے، پھر سب کہنے لگے کہ نہیں، یہ ہماری بدقسمتی ہے کہ سب تباہ ہو گیا، منجھلا بھائی بولا کہ ہم نے کہا نہیں تھا کہ ابا کے طریقہ کو مت چھوڑو غریبوں کا حق نکالتے رہو، اب یہی صورت ہے کہ اپنے کیے پر استغفار کرو، اللہ کی حمد وتسبیح بیان کرو، تا کہ اللہ پھر وہی برکت لوٹا دے جو اس نے والد صاحب کے کام میں رکھی تھی۔

قرآن مجید میں یہ واقعہ قدرے اختصار کے ساتھ بیان کیا گیا ہے جس میں دنیا کی حقیقت بیان کی گئی ہے، آدمی دنیا کی حرص میں آخرت تو گنواتا ہی ہے بعض مرتبہ اس کو دنیا بھی گنوانی پڑتی ہے اور اس کا بھاری نقصان چکانا پڑتا ہے۔

اس واقعہ سے جو دوسری چیز سامنے آتی ہے وہ صدقہ کی اہمیت ہے، ایک ایک دانہ کا اللہ تعالی سو گنا بلکہ اس سے بھی زیادہ بڑھا کر اجر دیتا ہے، اور اس دنیا میں بھی صدقات عافیت اور حفاظت کا ذریعہ بنتے ہیں، حدیث میں آتا ہے: ’’الصدقة تطفئ غضب الرب‘‘ (صدقہ اللہ کے غصہ کو ٹھنڈا کردیتا ہے) کتنی بلائیں، کتنی بیماریاں اور کتنے حادثات صدقات وخیرات سے ٹل جاتے ہیں۔

قرآن کے یہ واقعات قصہ کہانی کے طور پر پیش نہیں کیے جاتے، بلکہ یہ عبرت ونصیحت کا مرقع ہیں، کامیاب ہے وہ شخص جوان سے سبق لے اور ان کی روشنی میں اپنی بے اعتدالیوں کو دور کرے۔

مفتی راشد حسین ندوی

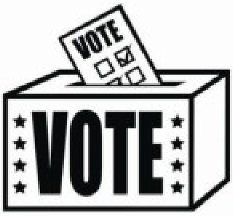

الیکشن میں شرکت

شرعی نقطۂ نظر سے

بحیثیت مسلمان ہم مسلمانوں کا عقیدہ ہے کہ اسلام ایک مکمل اور ہمہ گیر دین ہے، زندگی کے تمام شعبوں میں انسان کی رہنمائی کرتا ہے، اس کا معاملہ دنیا کے ان اکثر مذاہب کی طرح نہیں ہے جن کی بنیاد ہی ''جو قیصر کا ہے قیصر کو دو اور جو کلیسا کا ہے کلیسا کو دو'' کے اصول پر قائم ہے، بلکہ اسلام نے صراحت کردی ہے کہ جب تک زندگی کے تمام شعبوں کو اسلامی رنگ میں رنگ نہ لیا جائے، اور تمام گوشہ ہائے حیات کو اسلامی اصولوں کے مطابق نہ کرلیا جائے کامیابی حاصل نہیں ہوسکتی، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿یا ایھا الذین آمنوا ادخلوا فی السلم کافۃ﴾ (اے ایمان والو! داخل ہوجاؤ اسلام میں پورے)۔

حضرت سلمان فارسیؓ کا ایک یہودی کے ساتھ آداب استنجاء سے متعلق جو مشہور زمانہ مکالمہ ہوا تھا، اس سے بھی اسلام کی ہمہ گیریت پر بھرپور رہنمائی ملتی ہے۔

لیکن حالات کی ستم ظریفی کہیے یا ہماری حرماں نصیبی کہ آج ذرائع ابلاغ کی باغ ڈور ایسے ہاتھوں میں ہے، جو دین ودنیا کے درمیان تفریق کے نہ صرف قائل بلکہ اس کے داعی اور مبلغ ہیں، انکے زہریلے پروپیگنڈے کے اثر سے مسلمانوں کا ایک بڑا طبقہ بھی ان کا ہمنوا بن چکا ہے، خواہ کسی اور چیز میں یہ ہمنوائی نہ ہو لیکن مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد سیاست اور دین کو دو متضاد چیزیں سمجھتی ہے، اس خیال اور اعتقاد کے لیے مذکورہ بالا محرک کے علاوہ کچھ نام نہاد علماء کے غیر ذمہ دارانہ رویہ کا بھی بڑا دخل رہا ہے، جنکے مفاد پرستانہ انتخابی بیانات کو بدقسمتی سے طبقہ علماء کا نمائندہ بیان باور کرلیا جاتا ہے، اور اس کی مضرتوں کو دیکھ کر پورے طبقہ سے امت کا اعتماد اٹھ جاتا ہے۔

جب کہ اہل نظر بخوبی واقف ہیں کہ دین ودنیا کی تفریق کا نظریہ بداہۃً غلط ہے، اسلام نے جب آداب استنجاء کے سلسلہ میں واضح ہدایات دی ہیں تو وہ اس اہم ترین شعبہ کو کیسے نظر انداز کرسکتا ہے جس پر بڑی حد تک ملک وملت کی فلاح وبہبود کا انحصار ہے، چنانچہ کتاب وسنت میں اس کے متعلق بالکل واضح ہدایات موجود ہیں، جن پر قرون اولیٰ کے مسلمانوں نے عمل کیا تو عالم میں مثل آفتاب چمکے اور ہر طرف ان کا ڈنکا بج گیا، نامور سورماؤں اور جاہ وجلال رکھنے والوں نے سرنگوں ہونے میں ہی عافیت سمجھی، شاہ ولی اللہ دہلوی اسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اپنی معرکۃ الآراء کتاب ''حجۃ اللہ البالغہ'' میں فرماتے ہیں: ''واضح ہو کہ کچھ مصالح کی وجہ سے مسلمانوں کا خلیفہ ہونا ضروری ہے، یہ مصالح خلیفہ کے بغیر پایہ تکمیل تک نہیں پہنچ سکتے، یہ مصالح بہت سے ہیں، جن کو دو قسموں میں سمیٹا جاسکتا ہے، ایک وہ جو انتظام بلاد سے متعلق ہیں، دوسرے وہ جو ملت سے متعلق ہیں''۔

لیکن آج دنیا میں ہندوستان کی طرح بہت سے ممالک ایسے ہیں، جہاں مسلم آبادی تو ہے، لیکن وہ اس پوزیشن میں نہیں ہے کہ ملک کو اسلامی اصولوں پر چلاسکے، اور سیاست کو اسلامی رنگ میں رنگ سکے۔

اس لیے ایسے ممالک میں آباد مسلمانوں نے تین الگ طرح کے نقطہ نظر اختیار کررکھے ہیں:

۱- ملک کے جمہوری اور سیکولر نظام کے تحت سیاسی معاملات میں دوسرے برادران وطن کی طرح کلی شرکت۔

۲- سیاسی عمل سے مکمل اجتناب۔

۳- کچھ تحفظات کے ساتھ شرکت۔

ان میں پہلا گروہ اکثریت میں ہے: اس کی اکثریت دین ودنیا کی تفریق سے متعلق زہریلے پروپیگنڈہ سے متاثر ہے۔

لہٰذا یہ گروہ اپنے موقف کے لیے شرعی دلیل کی بھی ضرورت نہیں سمجھتا، بلکہ اس طرف اس کا ذہن نہیں جاتا کہ ان مسائل کے شرعی حکم سے واقفیت حاصل کی جائے، بس وہ ''چلو تم ادھر کو ہوا ہو جدھر کی'' کا مصداق بنتے ہوئے برادران وطن کے ساتھ پوری طرح میدان سیاست میں کود پڑتا ہے۔

دوسرا گروہ یہ دلیل پیش کرتا ہے کہ جمہوری نظام میں قوانین وضع کرنے کا اختیار پارلیمنٹ کے پاس ہوتا ہے، جبکہ شارع حقیقی صرف اللہ تعالیٰ ہے، غیر اللہ میں سے کسی کو بھی یہ اختیار تفویض کرنا شرک ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے: ﴿ان الحکم الا للہ﴾ (حکومت نہیں کسی کی سوائے اللہ تعالیٰ کے)۔

اور تیسرا گروہ اس بات کا قائل ہے کہ موجودہ صورتحال میں مسلمانوں کے لیے یہ تو مناسب نہیں کہ سیاست کو اپنا اصل میدان بنائیں، اس لیے کہ اس طرح وہ غیروں کے مدمقابل بن جائیں گے، اور غیر چونکہ اکثریت میں ہیں، لہٰذا اس سے مسلمانوں کا نقصان ہوگا۔

لہٰذا مناسب یہ ہے کہ مسلمان اپنا میدان تعلیم، تجارت، صنعت اور فلاحی کاموں کو بنائیں، اس میں امتیاز اور تفوق پیدا کریں، اس طرح وہ معاشرہ کا ایسا ضروری اور لازمی عنصر بن جائیں گے جس کی ہر جگہ ضرورت پڑے گی، سیاست میں ان کا حصہ صرف اتنا ہو جتنا شرعاً ضروری ہے، اور جو اصل میدان کے لیے مدد و معاون اور رکاوٹیں دور کرنے کے لیے ناگزیر ہے۔

تیسری رائے حالات اور تغیرات زمانہ کو دیکھتے ہوئے اقرب الی الحق ہے، اور اسی کو علماء حق نے راجح قرار دیا ہے، اس لیے کہ ہندوستان جیسے ممالک میں اسلامی حکومت کا قیام فی الوقت ممکن نہیں، دنیا کے حالات کچھ ایسے ہیں کہ مسلم ممالک کی طرف اجتماعی ہجرت بھی نہیں کی جاسکتی، پھر جب رہنا یہیں ہے تو میدان سیاست سے مکمل کنارہ کشی اختیار کرنے سے اسلام دشمن لابی کے مکمل طور سے حاوی ہو جانے کا خطرہ ہے۔

جس کے بعد مسلمانوں کے لیے اپنی تعلیمی اور تبلیغی مساعی کا جاری رکھنا بھی بہت ہی مشکل ہو جائے گا، پھر سیاست میں شرکت کے باوجود یہ ممکن ہے کہ آدمی شریعت سے ٹکرانے والے قوانین کو دل سے برا سمجھتا رہے اس طرح امید ہے کہ انشاء اللہ باطل نظام میں شرکت کا گناہ نہیں ہوگا اور اس کے لیے دلیل یہ ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے عزیز مصر سے مطالبہ کیا تھا کہ انہیں وزیر خزانہ بنا دیا جائے، ﴿اجْعَلْنِي عَلَى خَزَآئِنِ الأَرْضِ﴾ ظاہر ہے کہ اس وقت مصر میں قوانین الٰہیہ کے تابع حکومت نہیں تھی، خود حضرت یوسف علیہ السلام ہی کے قصہ میں آگے ایک واقعہ نقل کیا ہے، جس سے صاف ظاہر ہے کہ مصر او رشریعت ابراہیمی کے قوانین میں فرق تھا۔

﴿كَذَلِكَ كِدْنَا لِيُوسُفَ مَا كَانَ لِيَأْخُذَ أَخَاهُ فِي دِينِ الْمَلِكِ إِلَّا أَن يَشَاءَ اللّهُ﴾ (یوں داؤ بتا دیا ہم نے یوسف کو، وہ ہرگز نہ لے سکتا تھا اپنے بھائی کو دین میں اس بادشاہ کے مگر جو اللہ تعالیٰ چاہے)۔

اس کے باوجود حضرت یوسف علیہ السلام کی اس نظام میں شرکت سے یہ رہنمائی اور اشارہ مل رہا ہے کہ خاص قسم کے حالات میں اگر مفاد عامہ وابستہ ہوں تو غیر شرعی نظاموں میں شرکت کی گنجائش ہے، یعنی بالفاظ دیگر انتخاب میں شرکت کرنا جائز ہے، لیکن اس کے لیے مندرجہ ذیل اصولوں کی پابندی ضروری ہوگی۔

۱- یہ اعتقاد رکھے کہ شارع حقیقی اللہ تعالیٰ ہے، وضعی قوانین ناقص انسانی فہم پر مبنی ہوتے ہیں، کسی صورت شرعی قوانین کی جگہ نہیں لے سکتے، وضعی قوانین پر مبنی نظام میں شرکت اھون البلیتین کے اختیار کرنے جیسا ہے۔

۲- ووٹ دینا ایک طرح کی شہادت یا مشورہ ہے کہ فلاں کے اندر نمائندہ بننے کی زیادہ صلاحیت ہے، لہٰذا کسی کو ووٹ دیتے وقت اس کی قابلیت اور صلاحیت کا پرکھنا ضروری ہے، جان بوجھ کر غلط آدمی کو ووٹ دینا گویا غلط آدمی کو ووٹ دینا گویا غلط شہادت دینا اور غلط مشورہ دینا ہے، جس کا گناہ ہوگا ہمارا ذہن عام طور سے اس طرف نہیں جاتا ہے۔......

(باقی صفحہ ۲۰ پر)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

کتاب اللہ کے آئینہ میں

عبدالسبحان ناخدا ندوی

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک سیرت کو جاننے کا سب سے عظیم ذریعہ خود اللہ کی کتاب ہے، سیرت کا طالب علم اگر کتاب اللہ میں غور کرے تو سیرت کی اصل بنیادیں اس میں ضرور ملیں گی، اللہ رب العزت نے اپنی مقدس آخری کتاب کو اپنے آخری رسول کو جاننے پہچاننے کا سب سے اہم ذریعہ بنایا ہے، ایک طرف اس کا اعلان یہ ہے ﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ﴾ (تمہارے لیے واقعی اللہ کے رسول میں بڑا اچھا تسلی بخش نمونہ موجود ہے)، دوسری طرف اسی "اسوۃ حسنۃ" کے دلکش خدوخال اپنی کتاب میں جابجا بکھیر دیئے ہیں، قرآن کریم کا گہرا مطالعہ کرنے والا مزاج نبوت سے آشنا ہوتا چلا جاتا ہے، یہاں تک کہ از اول تا آخر جو کوئی اللہ کی کتاب کو سمجھ کر پڑھتا ہے اس کے سامنے سیرت کے مبارک نقوش بھی پورے طور پر واضح ہوجاتے ہیں، اس کے بعد جب وہ احادیث وسیر کے ذخائر کو دیکھتا ہے تو بے اختیار دل گواہی دیتا ہے کہ یہ تو قرآن کے پیش کیئے ہوئے سیرت کے رنگا رنگ پھول ہیں جو جابجا بکھرے ہوئے نظر آرہے ہیں۔

تمام انسانوں کے رسول

اللہ رب العزت نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام انسانوں کا رسول بنا کر بھیجا تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس عالمی حیثیت کو قرآن کریم نے جابجا واضح کیا ہے، اللہ رب العزت کے بعض ارشادات اسی ذیل میں ملاحظہ ہوں: ﴿قُلْ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ جَمِيعاً الَّذِي لَهُ مُلْكُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ﴾ (کہیے اے لوگوں! میں تم تمام کی طرف اللہ کا رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں، اس اللہ کا جس کے لیے زمین وآسمان کی کل بادشاہت ہے)۔

﴿وَأَرْسَلْنَاكَ لِلنَّاسِ رَسُولاً وَكَفَى بِاللَّهِ شَهِيداً﴾ (ہم نے آپ کو انسانوں کے لیے رسول بنا کر بھیجا ہے گواہی کے لیے تنہا اللہ کافی ہے)۔

﴿تَبَارَكَ الَّذِي نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلَى عَبْدِهِ لِيَكُونَ لِلْعَالَمِينَ نَذِيراً﴾ (بڑی بابرکت ہے وہ ذات جس نے اپنے بندے پر فیصلہ کن کتاب اتاری تاکہ وہ بندہ کل جہانوں کے لیے ڈرانے والا بن جائے)

﴿وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ﴾ (ہم نے آپ کو کل جہانوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے)

﴿وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا كَافَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيراً وَنَذِيراً﴾ (ہم نے آپ کو تمام انسانوں کے لیے خوشخبری دینے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے)

انسانیت کا درد

چونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تمام انسانون کے رسول ہیں، اس لیے اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب میں کل انسانیت کا درد بھر دیا تھا قرآن کریم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی انتہا درجے کی خواہش یہ بیان کی ہے کہ اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا بس چلے تو تمام انسانوں کو زبردستی ہی سہی ایمان میں داخل کردیں تاکہ کوئی ایک انسان بھی اللہ کے عذاب کا شکار نہ ہو، گویا یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے رحمۃ للعالمین ہونے کی ایک کیفیت ہے جسے قرآن کریم نے بہت وضاحت سے بیان کیا ہے، ارشاد ہے: ﴿لَوْ شَاءَ رَبُّكَ لَآمَنَ مَن فِي الْأَرْضِ كُلُّهُمْ جَمِيعاً أَفَأَنتَ تُكْرِهُ النَّاسَ حَتَّى يَكُونُوا مُؤْمِنِينَ﴾ (اگر آپ کا رب چاہتا تو زمین میں جتنے لوگ ہیں سب کے سب ایمان لے آتے تو کیا آپ لوگوں کو اس حد تک مجبور کریں

گے کہ وہ ایمان لے ہی آئیں)، آپ ﷺ کے اس اندرونی اضطراب کو قرآن کریم نے جس طرح اجاگر کیا ہے کوئی دوسرا اس کو بیان نہیں کرسکتا، عربی زبان کا ذوق رکھنے والے سمجھتے ہیں کہ لفظ حرص انتہا درجے کی چاہت کو بیان کرنے کے لیے آتا ہے، قرآن کریم میں یہ لفظ کل پانچ مقامات پر آیا ہے: ایک جگہ یہ بتانے کے لیے کہ یہود جینے کی بے پناہ چاہت رکھتے ہیں، بے انتہا بزدل ہیں ﴿وَلَتَجِدَنَّهُمْ أَحْرَصَ النَّاسِ عَلَى حَيَاةٍ﴾ (آپ ضرور ان یہودیوں کو پائیں گے کہ جینے کی بے پناہ خواہشمند ہیں)، دوسری جگہ یہ بتانے کے لیے کہ انسان شدید خواہش رکھنے کے باوجود ایک سے زائد بیویوں میں ہر معاملہ میں برابری نہیں کرسکتا، اس لیے کہ اختیاری معاملات میں یکسانیت برتنا ممکن ہے لیکن دل کی محبت کے لحاظ سے کیسے یکساں برتاؤ رکھ سکتا ہے، یہ تو غیر اختیاری بات ہے: ﴿وَلَن تَسْتَطِيعُواْ أَن تَعْدِلُواْ بَيْنَ النِّسَاء وَلَوْ حَرَصْتُمْ﴾ (تم چاہے جس قدر خواہش رکھو یہ ممکن نہیں کہ بیویوں کے درمیان برابری رکھو، لہٰذا ایسا بھی نہ ہو کہ بالکل ایک ہی کی طرف لڑھک کر رہ جاؤ دوسری کو بیچ میں لٹکتا ہوا چھوڑ دو۔

بہر حال یہ ایک الگ موضوع ہے، ان دو مقامات کے علاوہ بقیہ تینوں جگہوں پر حرص کی نسبت خود آپ ﷺ کی طرف کی گئی ہے اور یہ بتایا گیا ہے کہ آنحضرت ﷺ کو لوگوں کے ایمان کی کتنی شدید خواہش تھی اور لوگوں کے ایمان نہ لانے پر کس درجہ شدید بے چینی، آپ ﷺ کو ہوا کرتی تھی، ارشاد ہے واضح رہے یہاں کافروں کے تعلق سے آپ ﷺ کی بے چینی بیان ہورہی ہے: ﴿إِن تَحْرِصْ عَلَى هُدَاهُمْ فَإِنَّ اللّهَ لاَ يَهْدِي مَن يُضِلُّ وَمَا لَهُم مِّن نَّاصِرِينَ﴾ (اگر آپ کو ان کی ہدایت کی بے پناہ خواہش ہے تو یہ سن لیں کہ اللہ جن کو گمراہ کرتا ہے ان کو ہدایت سے نہیں نوازتا ہے اور ایسوں کی مدد کرنے والے بھی کوئی نہیں ہوں گے)، ﴿وَمَا أَكْثَرُ النَّاسِ وَلَوْ حَرَصْتَ بِمُؤْمِنِينَ﴾ (آپ کو جس قدر شدید خواہش ہو لوگوں کی اکثریت ایمان نہیں لانے والی ہے)۔

تمام انسانوں کے حق میں آپ کی کیفیت یہ بیان ہوئی ہے: ﴿لَقَدْ جَاءكُمْ رَسُولٌ مِّنْ أَنفُسِكُمْ عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيصٌ عَلَيْكُم بِالْمُؤْمِنِينَ رَؤُوفٌ رَّحِيمٌ﴾ (بالتحقیق تمہارے پاس خود تمہیں میں سے ایک رسول آیا ہے تمہاری ہر تکلیف اس پر بہت شاق ہے تم پر بہت حریص ہے لیکن تمہارے لیے ہر بھلائی کی بے انتہا چاہت رکھتا ہے مؤمنین کے حق میں محبت وشفقت سراسر رحمت ہے)۔

بے چینی کی یہی شدید کیفیت تھی کہ خود اللہ تعالیٰ کو بار بار تسلی دینی پڑی کہ آپ ﷺ آخر اس قدر کیوں اپنے آپ کو گھلا رہے ہیں، گویا یہ کہا جارہا ہے کہ نبوت ورسالت کی جو ذمہ داری ہم نے آپ ﷺ کو دی آپ ﷺ اس سے بھی زیادہ انجام دے رہے ہیں، لگتا ہے اپنی جان ہی گھلادیں گے: ﴿لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ أَلَّا يَكُونُوا مُؤْمِنِينَ﴾ (شاید آپ اپنی جان ہی گھونٹ دیں گے اس بات پر کہ یہ لوگ ایمان والے نہیں بن سکے)، ﴿فَلَا تَذْهَبْ نَفْسُكَ عَلَيْهِمْ حَسَرَاتٍ﴾ (تو ان پر پچھتا پچھتا کر آپ کی جان ہی نہ چلی جائے)۔

﴿فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ عَلَى آثَارِهِمْ إِن لَّمْ يُؤْمِنُوا بِهَذَا الْحَدِيثِ أَسَفاً﴾ (اگر یہ لوگ اس بات پر ایمان نہ لائیں تو شاید آپ ان کے پیچھے مارے افسوس کے اپنی جان ہی گھلادیں گے)

تحمل و برداشت

اسی انتہا درجے کی خیر خواہی کا نتیجہ تھا کہ آپ ﷺ بے حد تحمل والے تھے، ذاتی غرض سے آپ ﷺ نے کبھی انتقام نہیں لیا، قریش مکہ شب وروز آپ ﷺ کا مذاق اڑاتے آپ ﷺ کی رسالت پر طعنے کستے آپ ﷺ کے لیے برے بلکہ نہایت برے القاب تجویز کرتے، لیکن اس طرف پہاڑوں کو زیر کرنے والی استقامت اور سمندر کو پانی کرنے والی وسعت تھی کہ ہزاروں دفعہ کے طعنوں کے باوجود ایک بار بھی پلٹ کر جواب نہیں دیا، ورنہ افصح العرب کے لیے مشرکین کی بولتی بند کرنا کیا مشکل تھا، آپ ﷺ کی زبان وبیان کی طاقت کے سامنے کس

کی مجال تھی کہ ٹک سکے لیکن ایسا نہیں ہوا، قرآن کریم کی گواہی یہ ہے: ﴿وَإِذَا رَأَوْكَ إِن يَتَّخِذُونَكَ إِلَّا هُزُواً أَهَذَا الَّذِي بَعَثَ اللَّهُ رَسُولاً﴾ (یہ جب بھی آپ کو دیکھتے ہیں مذاق کے نشانہ پر رکھ لیتے ہیں، کہتے ہیں: ارے یہی وہ صاحب ہیں جن کو اللہ نے رسول بنا کر بھیجا ہے)، ﴿وَإِذَا رَآكَ الَّذِينَ كَفَرُوا إِن يَتَّخِذُونَكَ إِلَّا هُزُواً﴾ (یہ کافر جب کبھی آپ کو دیکھ لیتے ہیں بس مذاق اڑانا شروع کر دیتے ہیں)، ارے بھئی یہی ہیں وہ صاحب جو تمہارے معبودوں کو برا بھلا کہتے ہیں۔

آیت سے سرسری نہ گذرنا چاہیے، ذرا سوچئے کہ مکہ کی تیرہ سالہ زندگی میں اگر ان میں ایک دفعہ بھی یہ عمل ہوا ہوگا تب بھی چار ہزار سے زیادہ بار یہ کام کیا گیا ہوگا، لیکن وہاں تو انسانیت کی خیر خواہی تھی، کڑھن اس پر تھی کہ نادان آخر حقیقت کیوں نہیں سمجھ پا رہے ہیں، اس کا غم نہیں تھا کہ میرے ساتھ یہ حرکتیں کیوں کی جا رہی ہیں، صبر وتحمل کی کوئی ایسی مثال ملتی ہے جو اس کی گرد تک بھی پہنچ سکے، مکہ کے مشرکین کے ساتھ ہی نہیں مدینہ کے منافقین کے ساتھ بھی یہی معاملہ تھا، بار بار ایسے مواقع آئے کہ ان کی گردنیں اڑائی جاتیں اور یہ عین انصاف ہوتا لیکن آپ ﷺ نے ہمیشہ درگذر فرمایا اور یہ بات ارشاد فرمائی کہ لوگ کہیں گے کہ محمد ﷺ اپنے ساتھیوں کو قتل کرتے ہیں، ہاں! اللہ کی طرف سے کوئی خاص حکم آیا ہو یا کوئی شرعی حد وقصاص کا معاملہ ہو تو بات الگ ہے۔

کمال بندگی

سیرت قرآنی میں ایک اور اہم ترین صفت آپ ﷺ کی عبدیت کی نظر آتی ہے، شان عبدیت ہر معاملہ میں نمایاں یہ صفت ہر جگہ جلوہ گر، فنائیت وبندگی کی، یہ دلآویزی تو اللہ رب العزت کو اس قدر پسند آئی کہ جا بجا آپ ﷺ کو "عبدنا عبده" (ہمارے بندے اپنے بندے) کے لفظ سے یاد کیا، گویا حق بندگی میں آپ ﷺ کو معیارِ کامل قرار دیا کہ کوئی صحیح بندگی سیکھنا چاہے تو اس کے لیے بھی سب سے بہترین اور سب سے کامل نمونہ آپ ﷺ ہی کی ذات اطہر ہے، آنحضرت ﷺ کی شان عبدیت کو نمایاں کرنے والی آیات کی کہکشاں کو چشم بصیرت سے دیکھا جائے۔

﴿أَلَيْسَ اللَّهُ بِكَافٍ عَبْدَهُ﴾ (کیا اللہ اپنے بندے کے لیے کافی نہیں ہے) اس مبارک آیت میں پورے تعلق کے ساتھ ساتھ ایک شان دلنوازی بھی جلوہ گر ہے۔

﴿وَإِن كُنتُمْ فِي رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلَى عَبْدِنَا فَأْتُواْ بِسُورَةٍ مِّن مِّثْلِهِ﴾ (اگر تمہیں اس چیز میں شک معلوم ہو جو ہم نے اپنے بندے پر اتاری تو اس جیسی ایک ہی سورت لے آؤ)۔

یہاں لفظ "عبدنا" خاص اپنائیت کا مفہوم ادا کر رہا ہے، گویا یہ کہا جا رہا ہے: ہم نے اپنے بندے پر اپنا کلام اتارا تمہیں کیا تکلیف ہے اگر ہمارے اتارنے میں شک ہے تو تم خود ایک ہی سورت لے آؤ، ذرا ہم بھی تو دیکھیں!

یہی انداز ﴿الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي أَنزَلَ عَلَى عَبْدِهِ الْكِتَابَ﴾ میں بھی نظر آ رہا ہے اس طرح ﴿تَبَارَكَ الَّذِي نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلَى عَبْدِهِ لِيَكُونَ لِلْعَالَمِينَ نَذِيراً﴾ میں بھی ادائے محبت ٹپک رہی ہے، اپنے اہم ترین انعامات کو بیان کرنے کے لیے صفتِ عبدیت کو نمایاں کر کے یہ پیغام دیا گیا ہے کہ اس وصف میں امتیاز پیدا کرنا درحقیقت اپنے لیے رحمت کے دروازے کھولنا ہے، ﴿نَبِّئْ عِبَادِي أَنِّي أَنَا الْغَفُورُ الرَّحِيمُ﴾ (میرے بندوں کو بتا دینا کہ میں ہی ہوں مغفرت کرنے والا اور رحمت والا)، واقعہ اسراء ومعراج سیرت کا ایک سنہرا باب ہے، جس کی آب وتاب کبھی ختم نہیں ہوگی، اپنے دربار میں دعوت دیکر اللہ نے آپ ﷺ کو سرخرو فرمایا، وہ اونچا مقام نصیب فرمایا جو کل مخلوق کے لیے باعث رشک ہے، ان رفعتوں کا تذکرہ بھی شان عبدیت کے حوالہ سے کیا گیا ہے، اسراء کے بارے میں یہ مبارک آیت دلیل ہے ﴿سُبْحَانَ الَّذِي أَسْرَى بِعَبْدِهِ لَيْلاً مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ إِلَى الْمَسْجِدِ الأَقْصَى الَّذِي بَارَكْنَا حَوْلَهُ لِنُرِيَهُ مِنْ آيَاتِنَا﴾ (بہت پاک ہے وہ ذات جو اپنے بندے کو راتوں رات مسجد حرام سے مسجد اقصی کی طرف لے گئی جس کے گرد وپیش میں ہم نے برکت رکھ

دی ہے تا کہ اپنے بندے کو ہم اپنے بعض نشان دکھائیں)، معراج سے متعلق یہ مبارک آیت ہے، ﴿فَأَوْحَى إِلَى عَبْدِهِ مَا أَوْحَى مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَأَى﴾ (اللہ نے اپنے بندے کی طرف جو وحی کرنی تھی وحی کی دل نے جو دیکھا کچھ غلط نہیں دیکھا)، ہر چیز کو ویسے ہی دیکھا جیسے وہ فی الحقیقت تھی۔

اخلاق نبوت

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے انتہائی اعلیٰ اخلاق کی گواہی خود قرآن کریم نے دی ہے یعنی مکارم اخلاق کے معیار کمال پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو فائز بتایا ہے، اس میں انسانیت نوازی کے وہ سارے دلکشی پہلو آگئے ہیں جن سے دنیا جنت نشان بنتی ہے اور زندگی میں بہار آتی ہے۔

﴿وَإِنَّكَ لَعَلى خُلُقٍ عَظِيمٍ﴾ (آپ واقعی عظیم الشان اخلاق پر فائز ہیں)، اخلاق کے یہ کمالات رحمت خداوندی کا فیضان تھا ﴿فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنتَ لَهُم﴾ (یہ اللہ کی طرف سے رحمت ہی ہے کہ آپ ان کے لیے نہایت نرم ہیں)، اسی کا نتیجہ ہے کہ کسی کے فعل سے اپنی اذیت ظاہر کرنے سے بھی طبیعت شرماتی ہے، ﴿فَإِذَا طَعِمْتُمْ فَانتَشِرُوا وَلَا مُسْتَأْنِسِينَ لِحَدِيثٍ إِنَّ ذَلِكُمْ كَانَ يُؤْذِي النَّبِيَّ فَيَسْتَحْيِي مِنكُمْ﴾ (جب نبی کی دعوت پر کھانا کھا چکو تو اپنی راہ لو باتوں کا لطف اٹھاتے ہو بیٹھے نہ رہو تمہارا یہ طرز عمل نبی کو تکلیف پہنچاتا ہے لیکن وہ شرماتا ہے)۔

حسن معاشرت

گھر والوں کا اس قدر خیال کہ ان کے اطمینان قلب کے لیے اپنی مرغوبات سے دستبرداری کے لیے تیار، یہاں تک کہ خود اللہ رب العزت کو شفقت آمیز خطاب کرنا پڑا کہ اس حد تک نہ پہنچیے، ﴿يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَا أَحَلَّ اللّٰهُ لَكَ تَبْتَغِي مَرْضَاتَ أَزْوَاجِكَ وَاللّٰهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ﴾ (اے نبی جو چیز اللہ نے آپ کے لیے حلال رکھی ہے اسے کیوں حرام کر رہے ہیں آپ اپنی ازواج کی خوشنودی چاہتے ہیں اللہ بہت غفور ہے بہت رحم والا ہے)۔

حسن معاشرت زندگی کا بہت اہم گوشہ ہے، قرآن کریم کی گواہی ہے کہ اس گوشہ کو حقیقی مسرتوں سے ہمکنار کرنے والی ہستی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اطہر تھی ورنہ عورتوں کو میراث میں لیا جاتا تھا یا ان کی میراث زبردستی ہڑپ کی جاتی تھی، اس لیے قرآن کریم نے اہل ایمان کو اس سے روکا ہے: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا يَحِلُّ لَكُمْ أَن تَرِثُوا النِّسَاءَ كَرْهاً﴾ (اے ایمان والو تمہارے لیے جائز نہیں کہ تم زبردستی عورتوں کے وارث بن بیٹھو)۔

یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک ذات تھی جس نے حسن معاشرت کی تاکید فرمائی، اور بذات خود ایسا عظیم ترین نمونہ پیش فرمایا جس کی نظیر نہیں ملتی، اپنی ازواج مطہرات کی دل جوئی بلکہ ناز برداری کا جو نمونہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پیش فرمایا وہ دراصل اس عربی جاہلی معاشرت کا جواب تھا جس میں عورت کو جوتی کی نوک پر رکھا جاتا تھا، اس معاملہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم بے حد حساس تھے، یہاں تک کہ بسا اوقات اللہ رب العزت کی طرف سے بعض ازواج مطہرات کو ہلکی سی تنبیہ بھی کی گئی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بے پناہ شفقتوں کی وجہ سے حد ادب کو بھول نہ جانا، ایک دفع کچھ ایسا ہی معاملہ سامنے آیا تو اللہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دو محبوب ازواج کو مخاطب کرتے ہوئے یہ آیت نازل فرمائی: ﴿إِن تَتُوبَا إِلَى اللّٰهِ فَقَدْ صَغَتْ قُلُوبُكُمَا وَإِن تَظَاهَرَا عَلَيْهِ فَإِنَّ اللّٰهَ هُوَ مَوْلَاهُ وَجِبْرِيلُ وَصَالِحُ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمَلَائِكَةُ بَعْدَ ذَلِكَ ظَهِيرٌ﴾ (اگر تم دونوں توبہ کرو تو واقعی تمہارے دل (اللہ کی طرف) جھک پڑے ہیں اور اگر تم ان کے مقابل رہوگی تو اللہ آپ کا رفیق ہے اور جبرائیل اور نیک ایمان والے بھی، اس کے علاوہ فرشتے بھی آپ کے مددگار ہیں)

یہ بعض نمایاں شخصی خصوصیات ہیں جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں نظر آتی ہیں، جن کو قرآن کریم نے بہت اہتمام سے بیان کیا ہے، ان خصوصیات کے تناظر میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مقدس شخصیت کو سمجھنا آسان ہو جاتا ہے۔

آپ کے دینی سوالات اور ان کے جوابات

(آپ اپنے دینی سوالات ہماری ویب سائٹ پر بھی پوچھ سکتے ہیں) www.abulhasanalinadwi.org

سود کی رقم کا مصرف

سوال: بینک سے بدرجہ مجبوری سود لینا پڑتا ہے، اسے کن کن لوگوں کو دیا جاسکتا ہے، میں نے سنا ہے کہ اسے مساجد میں نہیں لگایا سکتے لیکن غریبوں کو دے سکتے ہیں، لیکن کچھ حضرات کا کہنا ہے کہ جب وہ اپنے لیے حرام ہے تو دوسرے کو حرام کیسے کھلایا جاسکتا ہے؟

(قاضی محمد زید، بیگوسرائے، بہار)

جواب: سود لینا اور دینا دونوں شریعت اسلامیہ میں ممنوع ہے، بدرجہ مجبوری علماء نے بینک میں رکھنے کو جائز قرار دیا ہے، اس میں بھی کوشش یہ کرنی چاہیے کہ غیر سودی کھاتے (Current Account) میں جمع کرے، بدرجہ مجبوری سودی کھاتے کھلوائے، پھر جب اس پر سودی رقم کا اضافہ ہو تو اس کو علماء نے بینک میں چھوڑ دینے کو نامناسب قرار دیا ہے، اس لیے کہ تجربہ یہ ہے کہ اس رقم کا استعمال غلط مقاصد میں ہوگا، پھر نکالنے کے بعد اس مال کی حیثیت لقطہ جیسی ہوگئی ہے، لقطہ اس مال کو کہتے ہیں کو کہیں پڑا مل جائے اور اس کے مالک کا پتہ نہ چل رہا ہو، ایسے مال کے لیے حکم یہ ہے کہ پہلے مالک کا پتہ لگانے کی کوشش کی جائے، پھر اگر پتہ نہ لگے تو اس کی طرف سے صدقہ کردیا جائے، سود کے مالک کا بھی پتہ نہیں ہوتا نہ ہی پتہ چل سکتا ہے، لہٰذا لقطہ پر قیاس کرکے اس کو بھی بلانیت ثواب فقراء ومساکین پر صرف کیا جائے گا، فقراء اور مساکین چونکہ اس کا مصرف ہیں لہٰذا یہ مال ان کے لیے بالکل حلال ہے اور طیب ہے، جیسے زکوٰۃ مالداروں کے لیے ناجائز ہے، اور نادار مسلمان کے لیے حلال وطیب ہے، یہی معاملہ سود کا بھی ہے، اس فرق کے ساتھ کہ سودی رقم غیر مسلم فقراء کو بھی دی جاسکتی ہے۔

بعض فقہاء نے لکھا ہے کہ لقطہ کو مسلمانوں کے عام مفاد کے کاموں جیسے پلوں اور راستوں کی تعمیر یا ان کی اصلاح وغیرہ جیسے مصارف میں بھی خرچ کیا جاسکتا ہے۔

اسی طرح جس بینک سے سود ملا ہے اسی بینک کو اگر سود دینا پڑ جائے تو بعض علماء نے اس کو بھی جائز قرار دیا ہے، یہ گویا اس مال حرام کو اس کے مالک تک پہنچانے کی ایک صورت ہے۔

اسی طرح بینک اگر سرکاری ہو تو اس سے ملے ہوئے سود سے انکم ٹیکس (جس کے بدلہ میں حکومت کوئی چیز نہیں دیتی ہے) بھی ادا کیا جاسکتا ہے اور یہ بھی مالک کے پاس مال پہنچانے کی صورت ہے۔ لیکن ان مین سب سے بہتر شکل پہلی ہے، بقیہ کے بارے میں بعض علماء کی رائے کے عدم جواز کی ہے۔ واللہ اعلم

برہنہ غسل

سوال: کیا ہم بنا کپڑوں کے غسل کر سکتے ہیں؟

(محمد احسن احمد، سعودی عرب)

جواب: ایسی جگہ جہاں کسی کی نظر نہ پڑے وہاں بنا کپڑوں کے غسل کیا جاسکتا ہے، البتہ اس کو معمول بنالینا بہتر نہیں ہے۔

بالوں کا حجاب

سوال: اسلام میں عورتوں کو بالوں کے لیے حجاب کیوں ضروری ہے؟ اس کی حکمت کیا ہے؟ (اقصیٰ، رائے بریلی)

جواب: جس طرح عورتوں کے جسم کے دیگر اعضاء ستر میں شامل ہیں اسی طرح ان کے بالوں کا بھی پردہ ضروری ہے، بال عورت کی خوبصورتی اور اس کے حسن میں داخل ہے، اور جس طرح اس کے جسم کے دوسرے حصے پرکشش ہوتے ہیں اور ان کی جانب میلان ہوتا ہے اسی طرح ان کے بالوں کا مسئلہ بھی ہے، اس لیے ان کا حجاب ضروری ہے۔

آدابِ قرآن

سوال: کیا اس بات کی اجازت ہے کہ ہم قرآن مجید کو بس، ٹرین، پارک، وغیرہ ہر جگہ پڑھ سکتے ہیں، خاص کر ایسی جگہ جہاں غیر مسلم بھی موجود ہوں؟ (محمد جنید، حیدرآباد)

جواب: قرآن کی تعظیم اور اس کا احترام واجب ہے، اور جب قرآن پڑھا جائے تو اس کی طرف دھیان لگانا ضروری ہے، اور ایسی پبلک جگہوں پر قرآن کے آداب کا ملحوظ رکھ پانا دشوار ہوتا ہے۔ لہٰذا ایسی جگہوں پر دھیمی آواز میں یا بغیر آواز کے تلاوت کرنا چاہیے۔

محمد نفیس خاں ندوی

مسلمانان ہند کے

سیاسی مسائل اور ان کا حل

ہندوستان کی آزادی کو ساٹھ برس سے زیادہ کا عرصہ گذر چکا ہے، اس طویل عرصہ میں ہندوستانی سیاست میں زبردست انقلاب رونما ہوا، ہمیشہ سے خود کو معزز اور طبقاتی بندشوں سے آزاد سمجھنے والا طبقہ کرسئ اقتدار پر جمنے کی کوشش کرتا رہا، جس کے لیے اس نے ہر طرح کے ہتھکنڈے بھی استعمال کیے، وہیں ملک کا وہ طبقہ جو ہمیشہ سے درماندہ، دلت، اچھوت اور ناقابل التفات سمجھا جاتا تھا اس نے ایک مضبوط پوزیشن حاصل کرنے میں خاصی کامیابی حاصل کی، آج سیاست کے میدان میں اس کی موجودگی کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا، بلکہ وہ اعلی طبقہ کو ٹکر دینے کی بھی اہلیت رکھتا ہے، اور ملک کے کسی بھی اہم اور سیاسی فیصلے میں اس کو نظر انداز کرنا آسان نہیں۔ لیکن اس پوری مدت میں ہندوستان کے پچیس کروڑ مسلمان اس پوزیشن میں نہیں آسکے کہ سیاست کے میدان میں وہ خود کو منوا سکیں۔

یہ ایک تلخ حقیقت ہے کہ ہزار مصائب اور مختلف فسادات سے گذرنے کے باوجود مسلمانوں میں اتحاد کی کوئی کوشش بار آور ثابت نہ ہوسکی، اور یہ قوم مستقل انتشار و بحران کا شکار ہوتی رہی، جس کی ایک بنیادی وجہ کسی قابل اعتماد تنظیم یا جماعت کا فقدان ہے، یہ قوم ساٹھ سالوں سے ایک بے لوث، حقائق سے آشنا اور فعال قیادت سے محروم رہی ہے، جس کی وجہ سے یہ قوم مسائل کے منجدھار میں تن تنہا رہ گئی اور پھر اس کی کسم پرسی، بے چارگی اور انتشار کا فائدہ ہر سیاسی جماعت نے اٹھایا۔

ہندستانی مسلمان پچھلے ساٹھ سالوں سے مختلف سیاسی پارٹیوں کے پرچم ڈھونڈتے رہے، ہر سیکولر پارٹی کو انھوں نے اپنا نجات دہندہ سمجھا، اور اس کی لے میں لے ملانے کی کوشش کی، ”ہندوتوا“ اور فرقہ پرست پارٹیوں کی اشتعال انگیزی کا ہوا کھڑا کر کے ان پارٹیوں نے اپنے سیاسی مفادات کی تکمیل تو کرلی، لیکن اس کے نتیجہ میں ان سیکولر پارٹیوں نے مسلمانوں کو کیا دیا اس کا ایک اندازہ سچر کمیٹی کی رپورٹ سے بھی لگایا جاسکتا ہے، جس کی کی تفصیلات میں نہ جاتے ہوئے اتنا سمجھنا کافی ہے کہ آج اس ملک میں مسلمانوں کی حیثیت ”خارجی عناصر“ سے کم نہیں، انتظامیہ اور پولیس میں ان کی تعداد حد سے زیادہ کم ہے، عدلیہ میں بھی ان کی نمائندگی نا کے برابر ہے، نوجوانوں کو بے روزگاری کے ساتھ ساتھ نفرت اور کراہت کا بھی سامنا کرنا پڑتا ہے، دیہی علاقوں میں مسلمانوں کی حالت بڑی تشویشناک ہے، **94** فیصد مسلمان سرکاری اناج سے محروم رہتے ہیں، **3.2** فیصد مسلمانوں کی ہی سبسڈی کا فائدہ پہنچتا ہے، تعلیمی نظام کی حالت اور بھی خراب ہے، دیہاتوں میں **60** فیصد اور شہروں میں **54.6** فیصد بچے اسکول گئے ہی نہیں، ریاستی فوج، پولیس اور نیم فوجی دستوں میں مسلمانوں کی تعداد بہت ہی کم ہے، اور سب سے حیرانی کی بات یہ ہے کہ جیلوں میں مسلمان قیدیوں کا تناسب سب سے زیادہ ہے، مہاراشٹر میں **10.6** فیصد مسلمان آباد ہیں مگر یہاں کی جیلوں میں **32.4** فیصد مسلمان قید ہیں، دہلی میں **1.7** فیصد مسلمان ہیں مگر سلاخوں کے پیچھے تقریباً **27** فیصد مسلمان قید و بند کی صعوبتیں برداشت کرنے پر مجبور ہیں۔ اس پر طرفہ یہ کہ ان کی دیش بھگتی اور ملک سے وفاداری پر بھی سوالیہ نشان لگتا رہتا ہے۔ لیکن الیکشن قریب آتے ہی ساری پارٹیوں کے نظریے یکسر بدل جاتے ہیں، اور ان کی ساری ہمدردیاں مسلمانوں سے وابستہ ہوجاتی ہیں، اور پھر وہ پارٹی چاہے اقتدار کی ہو یا اپوزیشن کی، سب مسلم ووٹ کے سہارے ہی سیاست کرنے پر مجبور ہوتے ہیں۔

حالات کے اس تناظر میں ایک سوال یہ اٹھتا ہے کہ آخر کب تک مسلمان ان پارٹیوں کے وعدوں اور دلاسوں کے سہارے جیتے رہیں گے؟ ساٹھ سال سے قوم اس انتظار میں ہے کہ کوئی مسیحا آئے گا اور اس کی سیاسی رہنمائی کرے گا، لیکن یہ خواب ہمیشہ خواب ہی رہا۔ تاہم اس سے بھی انکار نہیں ہندستانی مسلمانوں کے سیاسی بے وزنی کو ختم کرنے اور ان کو سیاست کے میدان میں بااختیار بنانے کے لیے آزادی کے بعد سے اب تک بہت ساری کوششیں کی جاچکی ہیں، ملک کے بالغ نظر دانشوروں، سیاسی قائدین، اور علمائے کرام نے بھی اہم خدمات انجام دی ہیں، لیکن ان کا خاطر خواہ فائدہ نہیں نکل سکا۔

اس کی ایک بنیادی وجہ یہ بھی ہے کہ ہندوستانی مسلمانوں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ ان کے سارے مسائل دوسروں کے پیدا کردہ ہیں اور وہ خود معصوم ہیں، ان کی تعلیمی، معاشی، سماجی اور دینی پستی اور ان کے زوال کی ذمہ دار حکومت وقت اور فرقہ پرست پارٹیاں ہی ہیں، شکایتوں کے ان تسلسل کو لے کر مسلمان گذشتہ ساٹھ برسوں سے مرثیہ خوانی اور سینہ کوبی کرتے رہے، جب کہ ہندوستان کی دوسری ساری اقلیتیں بدل گئیں لیکن مسلمان اس ملک میں اپنے جمہوری اور دستوری حقوق بھی حاصل کرنے کی صلاحیت نہیں پیدا کرسکا، البتہ ہر تھوڑے بہت وقفے کے بعد ملک کے مختلف گوشوں سے یہ آواز ضرور بلند کی جاتی ہے کہ بدلتے ہوئے حالات میں مسلمانوں کے مسائل کے حل کے لیے ان کا ایک سیاسی وفاق ہونا ضروری ہے، اس لیے ضروری ہے کہ مسلمانوں کی ایک مضبوط سیاسی پارٹی ہو۔

مسلمانوں کی سیاسی پارٹی کو لے کر ادھر کئی دہوں سے مسلمان اس مخمصے میں گرفتار ہیں کہ ان کی سیاسی جماعت تشکیل سود مند ہے یا نہیں؟ اور پھر اس موضوع کو لے کر مسلمان دو مختلف نظریوں میں تبدیل ہوگئے، ایک جماعت کا کہنا ہے کہ ساٹھ سال کے طویل تجربے کے بعد مسلمانوں کی ایک سیاسی جماعت کا ہونا ضروری ہے، جب ملک کا وہ طبقہ جو ہر حیثیت سے پس ماندہ اور دھتکارا ہوا تھا وہ اپنی پارٹی بنا کر حکومت میں شامل ہوسکتا ہے تو مسلمانوں کا اسے شجرۂ ممنوعہ سمجھنا کسی بھی طرح کی دانش مندی نہیں ہے، جب کہ اب تک کسی بھی سیکولر پارٹی نے سنجیدگی سے مسلمانوں کے مسائل پر غور کیا ہی نہیں، بلکہ وہ ان کا استحصال ہی کرتی رہی ہے۔

دوسری جماعت کا کہنا ہے مسلمانوں کی علیحدہ سیاسی تنظیم کی ضرورت نہیں ہے بلکہ مسلمانوں کی ملک میں موجود سیکولر پارٹیوں کا ساتھ دینا چاہیے، سیاسی محاذ کے لیے حالات مسلمانوں کے حق میں نہیں ہے، نیز انھیں اس بات کا بھی خدشہ ہے کہ اگر مسلمان سیاسی طور پر متحد ہوں گے تو غیر مسلموں میں بھی اتحاد پیدا ہوسکتا ہے جو مسلمانوں کے لیے اور زیادہ نقصان دہ ثابت ہوگا۔

اس سلسلہ میں بنیادی سوال یہ ہے کہ کیا کسی سیاسی جماعت کے قیام سے مسلمانوں کے مسائل حل ہوسکتے ہیں، جب کہ ماضی میں ہم اس کا تجربہ کر چکے ہیں، **1966**ء میں ''مسلم مجلس مشاورت'' کا قیام اسی فکر کا نتیجہ تھی، مسلم مجلس مشاورت نے **1967**ء کے انتخابات میں اہم رول ادا کیا تھا، دوسال کے مختصر عرصے میں مشاورت نے مسلمانوں کا وہ اعتماد حاصل کرلیا تھا کہ مشاورت کے قائدین نے جو فیصلہ کیا ہندوستان کے سارے مسلمانوں نے اس پر لبیک کہا، لیکن افسوس کہ بہت جلد مسلمانوں کا یہ سیاسی پلیٹ فارم انتشار کا شکار ہوگیا۔

چند سالوں پہلے ''ملی پولیٹیکل فورم'' تشکیل دیا گیا تھا، لیکن یہ فورم بھی خاطر خواہ کامیابی حاصل نہ کرسکا، اس کا رول محض کاغذی رہا، عملی سطح پر یہ فورم ناکام ثابت ہوا۔ اس طرح کی اور بھی بہت سی سیاسی پارٹیاں بنیں لیکن وہ چند افراد کے درمیان ہی موجود رہیں، شخصی انا، سیاسی عاقبت نااندیشی اور سیاسی بے وزنی کے دھاروں میں وہ کب بہہ گئیں کسی کو احساس بھی نہ ہوا۔

ان باتوں کے بیان کرنے کا مقصد یہ ہے کہ سیاسی جماعت کے قیام پر ساری توجہ صرف کرنا نہ صرف سیاسی دوراندیشی کے خلاف ہے بلکہ رہی سہی ساکھ کو بھی کھودینے کا خدشہ ہے، کیونکہ

مسلمانوں کا جذباتی مزاج، ان کی غیر مستقل مزاجی، باہمی رسہ کشی، اور سب سے بڑھ کر ان کی من حیث القوم غیر سیاسی سوجھ بوجھ کا تقاضہ بھی یہی ہے، تاہم ساری تگ ودو کے بعد اگر کوئی سیاسی پارٹی تشکیل پا جاتی ہے تو کیا صرف سیاسی جماعت کے بن جانے سے مسلمانوں کے سارے مسائل حل ہو جائیں گے؟ کیا اس کے ذریعہ مسلمانوں کا مزاج بدل جائے گا؟ کیا اس کی وجہ سے ان کے باہمی اختلافات ختم ہو جائیں گے؟ اور کیا ایک سیاسی جماعت کی وجہ سے مسلمانوں کے اندر تعلیمی بیداری، دینی حمیت اور آخرت کا شوق پیدا ہو سکے گا؟ اس طرح کے نہ جانے کتنے سوالات ہیں جو شاید سوالات ہی بنیں رہیں گے!!

مسلمانوں کے زیادہ تر مسائل وہ ہیں جن کا تعلق ان کی اپنی ذات سے ہے، تعلیمی پس ماندگی، غربت وافلاس، افتراق وانتشار، مضبوط قیادت کا فقدان، معاشرہ میں ان کی بے وزنی، اس طرح کے دیگر مسائل کی بنیادی وجہ دینی تعلیم اور دینی مزاج سے محرومی ہے، مسلمان اگر اس طرف متوجہ ہوں تو اس طرح کے مسائل پیدا ہی نہ ہوں۔

رہے وہ مسائل جن کا براہ راست تعلق حکومت سے ہے، جیسے وقف کے مسائل، سرکاری محکموں میں نمائندگی، روزگار کی فراہمی، معاملات میں ان کے ساتھ سوتیلا برتاؤ، جمہوری اور آئینی حقوق سے محرومی وغیرہ تو ان مسائل کے حل کے لیے سب سے پہلے خود مسلمانوں کو سنجیدہ ہونا ہوگا، ذاتی مفادات سے اٹھ کر قوم کے مفادات کو سامنے رکھنا ہوگا، اور ایک مضبوط لائحۂ عمل تیار کرکے کوشش کرنی ہوگی، آج ان کے سامنے درجنوں مسائل ہیں لیکن ان مسائل میں سب سے بڑا مسئلہ یہ ہے کہ آج تک ان کے تعلق سے ترجیحات طے نہیں ہو سکیں کہ کون سے مسائل بنیادی اور اہم ترین ہیں، اور پھر ان پہ پوری توجہ مرکوز کی جاتی، ہوتا یہ ہے کہ بیک وقت سارے مسائل کی ایک لمبی فہرست پیش کردی جاتی ہے، لیکن کام کی ابتدا کہاں سے کی جائے یہ طے نہیں ہو پاتا، اور پھر نتیجتاً مسائل کی گتھی اور الجھتی جاتی ہے۔

اس لیے عملی شکل تو یہ ہے کہ پہلے کوئی ترجیحی ایجنڈا طے کر لیا جائے، اور اس کے لیے لائحۂ عمل تیار کرکے اس میں رنگ بھرنے کی کوشش کی جائے، لیکن اس کے ساتھ اس طرف بھی توجہ کی جائے کہ آج کسی کے سامنے اخلاقی قدروں کے فروغ کا ایجنڈا نہیں ہے، جس کے نتیجہ میں ہر شعبۂ حیات میں بگاڑ پیدا ہو چکا ہے، اس لیے یہ مسلمان جن کو دنیا میں انسانیت کی مسیحائی کے لیے بھیجا گیا ہے اس کی بھی فکر کریں، اور خدمت خلق، عوامی مسائل سے دلچسپی اور سماج کی ضرورتوں سے جڑنے کی کوشش کریں، ہمارے اسلاف نے انہی خداداد صلاحیتوں کی بدولت نہ صرف ملکوں پر حکومت کی بلکہ دلوں پر بھی ان کی حکمرانی رہی ہے، اور آج کی مادہ پرست دنیا ہم سے انہی بلند اخلاق کی توقع کرتی ہے، جسے اختیار کرنے کے بعد اس ملک کا نقشہ ہی بدل جائے گا، اور مسلمان خلافت ارضی کے منصب پر خود بخود فائز ہو جائیں گے۔ وماذلك على الله بعزيز

بقیہ: الیکشن میں شرکت شرعی نقطۂ نظر سے

۳- نمائندہ وہی بن سکتا ہے جس کو اپنے بارے میں مکمل اعتماد ہو کہ وہ حفیظ علیم ہے، یعنی امانت دار ہو اور اپنی ذمہ داری سے واقف ہو، اور اس کی ادائیگی کی مکمل صلاحیت رکھتا ہو۔

۴- انتخابی مہم چلاتے وقت اس کا خیال رکھا جائے کہ کسی جگہ جھوٹ کی آمیزش نہ ہو، نہ اپنی جھوٹی تعریف کی جائے، نہ مدمقابل پر جھوٹے الزامات لگائیں جائیں۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ الیکشن کے تمام عمل میں اس شرط کے ساتھ شرکت کی اجازت ہے کہ کسی ناجائز چیز کا ارتکاب نہ کرنا پڑے، ورنہ جس گناہ کا ارتکاب کریگا اس کا گناہ ہوگا، اس سے ان لوگوں کے طرز عمل کا حکم معلوم کیا جا سکتا ہے جو اس موقع پر شتر بے مہار بن جاتے ہیں، اپنے حامیوں کو شراب پلاتے ہیں مندروں میں جاتے ہیں، اور مورتی کو ہاتھ جوڑ کر ''پرنام'' بھی کرآتے ہیں، اللہ تعالیٰ ہمیں دین کی سمجھ نصیب فرمائے۔ آمین

صبح سعادت

کچھ کفر نے فتنے پھیلائے کچھ ظلم نے شعلے بھڑکائے
سینوں میں عداوت جاگ اٹھی انسان سے انساں ٹکرائے

پامال کیا برباد کیا کمزور کو طاقت والوں نے
جب ظلم وستم حد سے گزرے تشریف محمد لے آئے

مکہ کی زمیں اور عرش کہاں، دم بھر میں کہاں پل بھر میں کہاں
پتھر کو عطا کی گویائی اور چاند کے ٹکڑے فرمائے

رحمت کی گھٹائیں لہرائیں، دنیا کی امیدیں بر آئیں
اکرام وعطا کی بارش کی، اخلاق کے موتی برسائے

مظلوموں کی فریاد سنی، مجبوروں کی غم خواری کی
زخموں پہ خنک مرہم رکھے، بے چین دلوں کے کام آئے

تہذیب کی شمعیں روشن کیں اونٹوں کے چرانے والوں نے
کانٹوں کو گلوں کی قیمت دی ذروں کے مقدر چمکائے

عورت کو حیا کی چادر دی غیرت کا غازہ بھی بخشا
شیشوں میں نزاکت پیدا کی، کردار کے جوہر چمکائے

اللہ سے رشتے کو جوڑا، باطل کے طلسموں کو توڑا
خود وقت کے دھارے کو موڑا، طوفاں میں سفینے تیرائے

توحید کا دھارا رک نہ سکا، اسلام کا پرچم جھک نہ سکا
کفار بہت کچھ جھنجھلائے، شیطاں نے ہزاروں بل کھائے

تلوار بھی دی، قرآں بھی دیا، دنیا بھی عطا کی، عقبیٰ بھی
مرنے کو شہادت فرمایا، جینے کے طریقے سمجھائے

اے نام محمد صل علیٰ ماہر کے لیے تو سب کچھ ہے
ہونٹوں پہ تبسم بھی آیا، آنکھوں میں بھی آنسو بھر آئے

(مولانا ماہر القادری مرحوم)

R.N.I. No.
UPURD/2009/28748

Monthly
Payam-e-Arafat
Raebareli

Postal Reg. No.
RBL/NP - 09

VOLUME 4

FEBRUARY 2012

ISSUE 02

ملت ایجوکیشنل اینڈ ویلفیئر سوسائٹی

بلالحاظ مذہب وملت' انسانی ہمدردی کی بنیاد پر علماء کرام کی نگرانی میں ہمہ جہتی، فلاحی ورفاہی خدمات کے لیے اور معاشی اعتبار سے کمزور و مستحق افراد تک امداد پہنچانے کی غرض سے فیض آباد کے نوجوان علماء کرام نے بروز جمعہ ۶ راگست ۲۰۱۰ء ایک سوسائٹی بنام "ملت ایجوکیشنل اینڈ ویلفیر سوسائٹی" شجاع گنج، فیض آباد، یو. پی. قائم کی۔ جس کے اغراض ومقاصد حسب ذیل ہیں۔

اغراض و مقاصد

(۱) ملت اسلامیہ کی دینی واخلاقی ضرورتوں کی تکمیل کے لیے مختلف زبانوں میں لٹریچر کی تیاری واشاعت (۲) اصلاح معاشرہ کے لیے سمینار و کانفرنس کا انعقاد (۳) گاؤں گاؤں میں مکاتب کا قیام (۴) ائمہ مساجد کی تقرری اوران کی تربیت کا اہتمام (۵) لائبریری کا قیام (۶) کالج کا قیام (۷) ہسپتال کا قیام (۸) یتیموں، بیواؤں اور حاجت مندوں کی ضرورتوں کی تکمیل (۹) دارالقضاء کا قیام

نوٹ: یہ ایک قومی وملی ادارہ ہے، اس کے علمی ومالی تعاون میں زیادہ سے زیادہ حصہ لیجیے، تاکہ یہ ادارہ اپنے اعلی مقاصد کی تکمیل بحسن وخوبی کر سکے، اور آپ عنداللہ اجر وثواب کے مستحق ہوں۔ ان اللہ لا یضیع أجر المحسنین.

رابطہ:

محمد احسن عبد الحق ندوی

ملت ایجوکیشنل اینڈ ویلفیئر سوسائٹی، شجاع گنج، فیض آباد، یو. پی موبائل: 9918385097

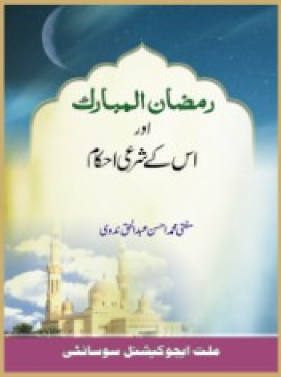

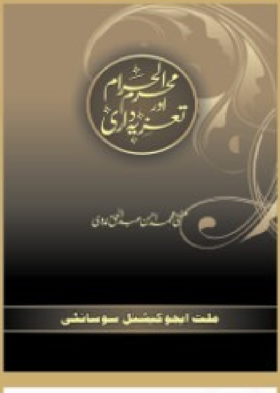

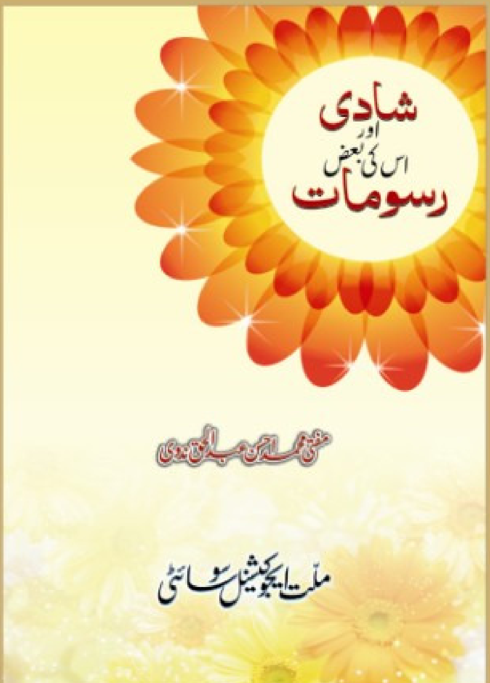

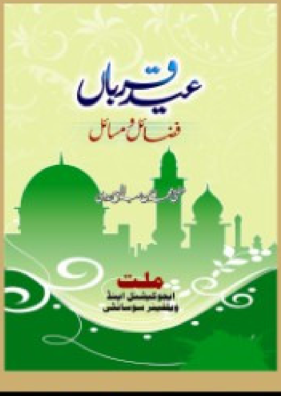

رابطہ:
مرشد حسین ندوی
کھیتہ سرائے، بارہ بنکی، یو.پی. (Mob: 9795823840)

Designed by Mohammad Makky Hasani Nadwi

Editor: Bilal Abdul Hai Hasani Nadwi

MARKAZUL IMAM ABIL HASAN AL-NADWI

Dare Arafat, Takiya Kalan, Raebareli, U.P.
Mobile: 9918385097, 9918818558
E-Mail: markazulimam@gmail.com
www.abulhasanalinadwi.org

Printed & Published by: Mohammad Hasan Nadwi
On Behalf of: Markazul Imam Abil Hasan Al-Nadwi
Printed at S.A. Offset Printers, Masjid ke peeche,Phatak Abdullah Khan, Sabzi Mandi, Station Road, Raebareli, U.P.